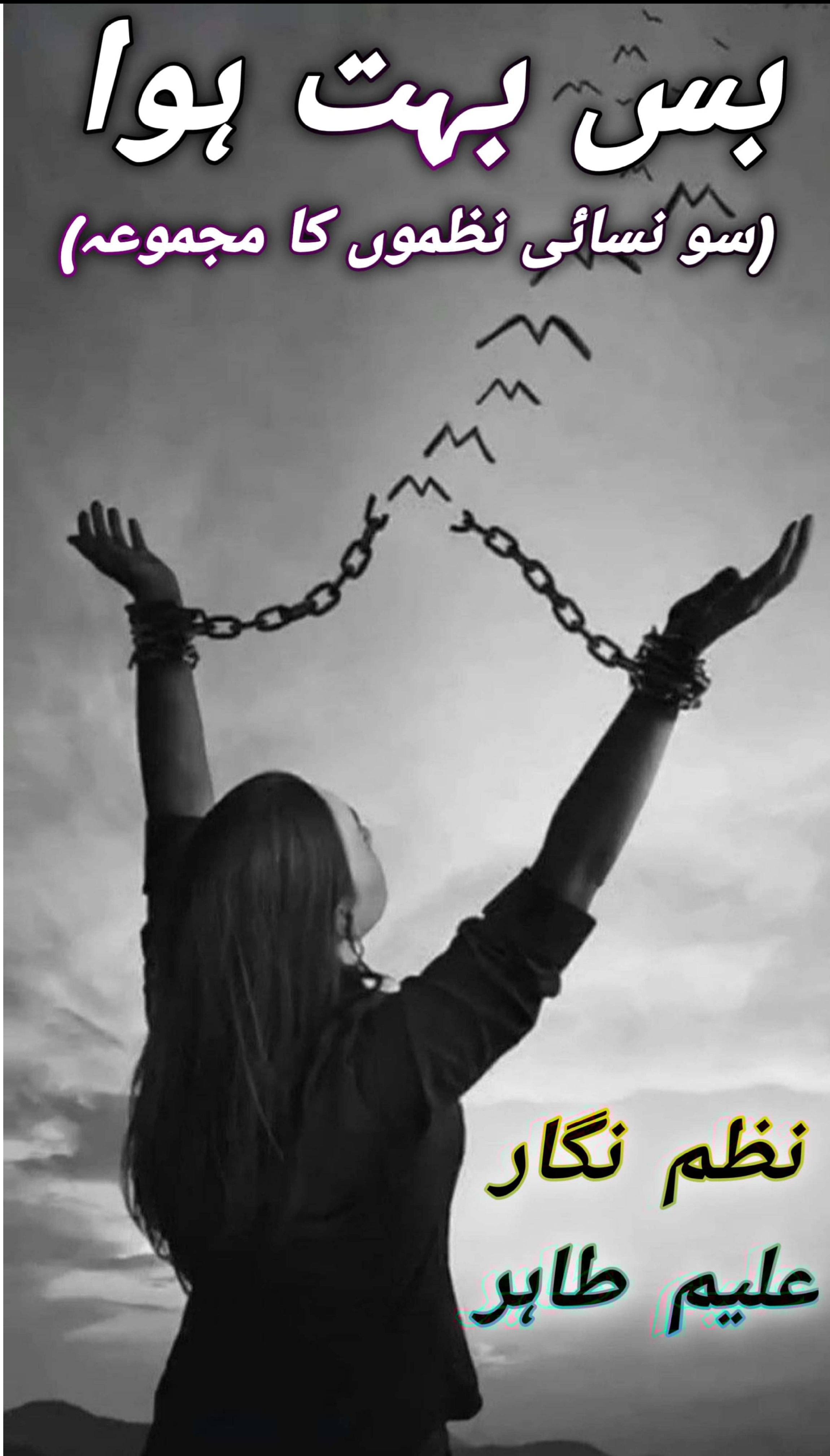
بس بہت ہوا
(سو نسائی نظموں کا مجموعہ)
نظم نگار
علیم طاہر

بس بہت ہوا

(سونسائی نظموں کا مجموعہ)

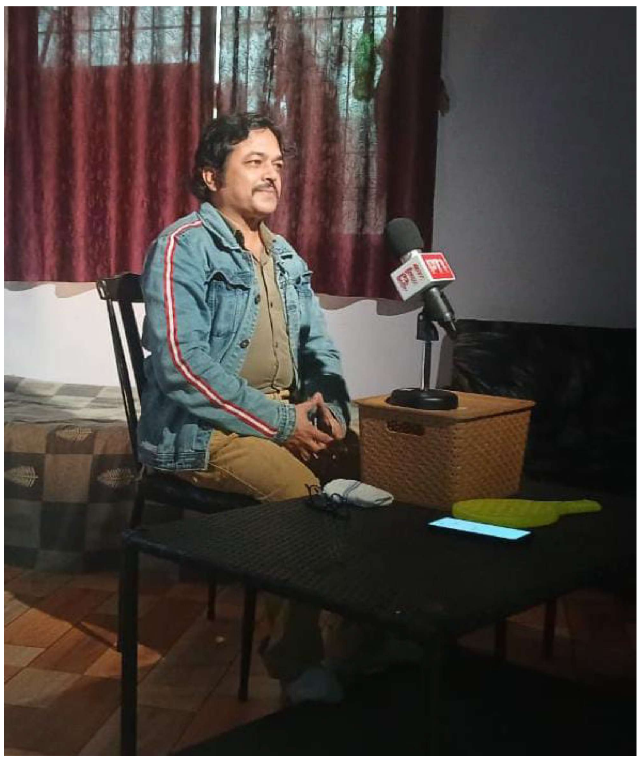

نظم نگار

علیم طاہر

©

علیم طاہر اور گھریلو ورثہ

کتاب : بس بہت ہوا

نظم نگار : علیم طاہر

ترتیب وتدوین : علیم طاہر/ فہیم علیم

سن اشاعت : 2025 (12 August) (پہلی اشاعت)

صفحات : 265

قیمت : 300 روپے۔

کمپوزنگ : علیم طاہر

زیر اہتمام : اے ایم این پروڈکشن انٹرنیشنل۔

مطبع : ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس (دہلی)

سرورق : فہیم علیم

ترتیب وتدوین : مقیم مینانگری / ایڈوکیٹ ندیم ارشد

ناشر : علیم طاہر

ملنے کے پتے:

.1: مومن پورا، سروے نمبر 19، گھر نمبر 51، مالیگاؤں۔ ضلع (ناسک) . مہاراشٹر (انڈیا)

.2: علیم طاہر پلاٹ نمبر 28 سنجری چوک،

اشرف نگر، دیانہ مالیگاؤں، 423203

ضلع ناسک مہاراشٹر (انڈیا)

انتساب:

تحسین آراء (شریکِ حیات)،

فہیم علیم (بیٹا)،

عین الارم (بیٹی)،

عالیہ (بیٹی)،

ابا (ارشد مینانگری)،

اماں (حلیمہ بی)،

برادران/ چھوٹی بھابھیاں،

ہمشیرگان،

بھتیجے،

بھتیجیاں،

اور --------

نئی نسل

کے نام

نیند لٹکی ہوئی رہتی ہے کلینڈر پہ مری

روز بستر پہ مرا خواب پڑا رہتا ہے

علیم طاہر

فہرست

نمبر	عنوانات	صفحہ نمبر
01	نظم نمبر: 01 تا 20	12 to 59
02	نظم نمبر: 21 تا 40	61 to 103
03	نظم نمبر: 41 تا 60	105 to 146
04	نظم نمبر: 61 تا 80	148 to 195
05	نظم نمبر: 81 تا 100	197 to 241

مقدمہ

کتاب: بس بہت ہوا
(سونسائی نظموں کا مجموعہ)
علیم طاہر

عورت صرف ایک جسم نہیں۔
نہ ہی وہ صرف محبت، ممتا، اور ایثار کی مجسمہ ہے۔
وہ ایک مکمل انسان ہے—
جس کی سوچ ہے، خواب ہیں، حق ہے، آواز ہے۔
اور جب یہ آواز صدیوں کی خامشی کے بعد ابھرتی ہے،
تو صرف نظم نہیں بنتی—
صدائے احتجاج، پکارِ ذات، اور اعلانِ خودی بن جاتی ہے۔

"بس بہت ہوا" کوئی سادہ شعری مجموعہ نہیں،
یہ عورت کی اپنی پہچان، اپنی مرضی، اور اپنے وجود کی بازیافت کا سفری ریکارڈ ہے۔
یہ اُن در و دیوار پر لکھی گئی صدیوں کی وہ تحریریں ہیں
جو کبھی مٹا دی گئیں، کبھی چھپا دی گئیں،

اور اب—دوبارہ لکھ دی گئی ہیں، بیخوف اور بیپر دہ۔

ان نظموں میں "میرا بدن، میری مرضی" کا نعرہ
صرف جسمانی اختیار کا تقاضا نہیں،
یہ مکمل انسانی برابری کی باز یافت ہے—
یہ وہ فکری بیداری ہے

جس میں عورت مرد کے برابر، قانون کی وارث،
سماج کی شراکت دار، اور زندگی کی پوری نمائندہ ہے۔

یہ مجموعہ
کبھی ہلکے لہجے میں سوال کرتا ہے:
"میری مسکراہٹ کا مطلب تم کیوں گھڑتے ہو؟"
کبھی بلند آواز میں کہتا ہے:
"مرا حق مجھے دو!"
کبھی تہذیب کو چیلنج کرتا ہے،
تو کبھی قانون کو جھنجھوڑ کر کہتا ہے:
"قانون! صرف کتابوں میں نہ رہ، میرے دروازے پر بھی آ!"

یہ سو نظمیں
عورت کی خود شناسی سے لے کر
معاشرتی جبر، وراثتی ناانصافی، رواجی تفریق،
اور جنسی مساوات جیسے موضوعات پر گہری گفتگو کرتی ہیں—
اور ہر نظم، گویا ایک فردِ جرم ہے

اس سماج پر، جس نے عورت کو
کبھی بیٹی مانا، مگر وارث نہ جانا
کبھی محبوبہ کہا، مگر فیصلے کا اختیار نہ دیا
کبھی ماں کہا، مگر اُس کی مرضی کو کبھی نہیں پوچھا۔

میں نے یہ نظمیں
کسی ایجنڈے، کسی ادارے، یا کسی فیشن کے تحت نہیں لکھیں—

یہ میرے اندر کی وہ چیخیں ہیں
جو میں نے سنی ہیں ان عورتوں کی،
جنہیں میری ماں، بہن، بیٹی، شاگرد، یا دوست کہا جاتا ہے—
مگر جنہیں کبھی انسان سمجھ کر برابری نہیں دی گئی۔

یہ کتاب
نہ صرف عورت کے لیے لکھی گئی ہے،
بلکہ اُن تمام مردوں کے لیے بھی
جو عورت کو "برابر کا انسان" ماننے کی جرأت رکھتے ہیں۔

علیم طاہر
اگست 2025

پیش لفظ

کتاب: بس بہت ہوا
(سونسائی نظموں کا مجموعہ)

عورت کی کہانی صدیوں پرانی ہے،
مگر ہر صدی میں اُس کی آواز کو یا تو دبایا گیا، یا توڑا گیا، یا مصلحت کی چادر میں لپیٹ کر خامشی کا تاج پہنا دیا گیا۔
آج بھی، جب دنیا چاند پر بستیاں بسانے کے خواب دیکھ رہی ہے،
عورت کو یہ حق مانگنا پڑ رہا ہے
کہ وہ اپنے جسم، اپنی سوچ، اپنے انتخاب،
اور اپنی زندگی کی مالک ہے۔

یہ کتاب، "بس بہت ہوا"
درحقیقت ایک تحریکی شعری دستاویز ہے—
ایک فکری اعلامیہ جو نسوانی شعور کو
محض جذباتی سطح پر نہیں،
بلکہ تہذیبی، قانونی، سماجی اور ادبی سطح پر آواز دیتا ہے۔

ان نظموں کی بنیاد—
نہ خالی جذبات ہیں، نہ محض بغاوت،

بلکہ انسانی مساوات، شعوری بیداری، اور خودی کی بازیافت ہے۔
یہ نظمات عورت کے اندر سے جنم لیتی ہیں،
اور اُس کے باہر کی دنیا کو آئینہ دکھاتی ہیں۔

میں نے یہ نظمیں
نہ کسی صنف کی مخالفت میں،
نہ کسی روایت کی توہین میں،
بلکہ عورت کی غیر مشروط انسانی حیثیت کو تسلیم کروانے کے لیے لکھی ہیں۔

یہ نظمات بیٹی کے درد سے شروع ہوتی ہیں،
بیوی کی بے بسی کو چھوتی ہیں،
ماں کی قربانی کو سلام کرتی ہیں،
اور پھر عورت کے اس وجود کو سینے سے لگاتی ہیں
جسے معاشرے نے صرف تعلقات کی روشنی میں سمجھنے کی کوشش کی،
مگر خود اس کے وجود، اس کی مرضی، اور اس کی آواز کو کبھی مرکز نہیں مانا۔

یہ مجموعہ اُن تمام عورتوں کے لیے ہے
جو چپ رہی ہیں،
اور اُن مردوں کے لیے بھی
جو اُن کی چپ سن سکتے ہیں۔

یہ نظمات
سچ بولتی ہیں،
سوال اٹھاتی ہیں،

اور ہر نظم آخر میں
ایک ہی اعلان کرتی ہے—
بس بہت ہوا!

یہ صرف کتاب نہیں—
یہ ہر اُس عورت کی آواز ہے
جواب خود کو سننا اور سنانا چاہتی ہے۔

علیم طاہر
اگست 2025

نظم نمبر:01

عنوان: میں عورت ہوں

میں عورت ہوں
کوئی مٹی کی مورت نہیں
نہ بے زبان سایہ ہوں
میں سانس لیتی ،سوچتی،
محسوس کرتی
اک مکمل ہستی ہوں

میرے خواب بھی رنگین ہیں
میرے آنسو بھی قیمت رکھتے ہیں
میری ہنسی میں بھی صدیوں کی
محبت گونجتی ہے
اور میری خامشی میں
صدیوں کی چیخیں دفن ہیں

میں صرف کسی کی بیٹی ، بہن،

بیوی یا ماں نہیں

میں ایک انسان ہوں
جو اپنی پہچان
اپنے نام سے چاہتی ہے
نسب سے نہیں، نصب سے نہیں
بس اپنی ہستی سے

میں عورت ہوں
برابر کے حق کی طلبگار
نہ کم، نہ زیادہ
بس جتنا تو، اتنا میں
جتنا روشنی کا حق ہے دن کو
اتنا ہی رات کو چاندنی کا حق ہے

نظم نمبر:02

عنوان: میں عورت ہوں

میں عورت ہوں
میں صدیوں کی کتھا ہوں
گھروں کے دیوار و در میں
چھپی ہر آہ کی صدا ہوں

میری گود میں کائنات پلتی ہے
میری کوکھ سے کل کی صبح نکلتی ہے
میری انگلی تھام کر
چلتے ہیں وہ بھی
جو دنیا کی باگ سنبھالتے ہیں

میں دھنک ہوں
مگر ہر رنگ میں بٹی نہیں
میں خوشبو ہوں
پر ہر سانس میں بسی نہیں

میرا وقار میری رضا سے جڑا ہے

میرا اختیار میرے شعور سے بڑھا ہے
میں بندھن کو باندھتی بھی ہوں
اور ظلم کی زنجیر بھی توڑتی ہوں

نہ دیوی سمجھو، نہ کنیز مانو
میں عورت ہوں،
بس انسان مانو

نظم نمبر:03

عنوان:عورت اور زمین

میں عورت ہوں
زمین جیسی، خاموش، سہہ جانے والی
ہر زخم، ہر بوجھ،
اپنے سینے میں دفن کرنے والی
میں کوکھ ہوں،
جو بیج کو شجر بناتی ہے
میں چھاؤں ہوں،
جو تھکے ہارے وجودوں کو راحت دیتی ہے

میں بارشوں کی پہلی رم جھم جیسی
اور کبھی تپتی دوپہر کی تپش میں
ساکت کھڑی، نم مٹی جیسی
جس پر تم قدم رکھتے ہو
مگر اس کی تھکن نہ ماپ سکتے ہو

تم نے میرے سینے پر
محل تعمیر کیے
مگر میری بنیادیں
تم نے میرے آہستہ سسکتے خواب دفن کیے

میں نے کھیت جوتے، پانی سنبھالا
اور چولہے پر جلتی رہی
مگر تم نے میرے جسم کو بس
زمیں سمجھ کر ہموار کیا

میں زمین ہوں
لیکن صرف کھیتی نہیں
میں تمہارے قدموں تلے روندی گئی
پھر بھی تمہیں اناج دیتی رہی

میں عورت ہوں
میرے وجود میں دریا بھی بہتے ہیں
اور آتش فشاں بھی سلگتے ہیں
میں جب ہنستی ہوں
تو چمن میں بہار آتی ہے
اور جب روتی ہوں
تو آسمان بھی نم ہو جاتا ہے

میں سوال ہوں، جواب نہیں چاہتی
بس حق چاہتی ہوں
مٹی نہیں ہوں کہ گوندھ لو
شعلہ ہوں کہ دہکا لو
نہ چھاؤں ہوں کہ اوڑھ لو
میں عورت ہوں،

اک مکمل پہچان ہوں
زمین نہیں،
زمین سے آگے کا جہان ہوں

نظم نمبر: 04
عنوان: خامشی کی آواز

میں عورت ہوں
اور میری خامشی
صرف چپ کا دوسرا نام نہیں
یہ صدیوں کی زبان ہے
جسے سمجھنے کے لیے
محض سماعت نہیں،
دل کا دھڑکنا بھی ضروری ہے

یہ خامشی
سلگتے سوالوں کی راکھ ہے
جو چیخنا چاہتی ہے
مگر تہذیب کے باندھے ہوئے لفظوں میں
قید ہو چکی ہے

تم نے کہا،
عورت بولے تو بدتمیز
نہ بولے تو بے حس
ہنسے تو بے حیا

روئے تو کمزور
تو میں خاموش ہوگئی
مگر میری ہر خاموشی
ایک گواہی ہے
جو وقت کی عدالت میں
اک دن پیش ہوگی

میں نے بولنا سیکھا تھا
مگر ہر لفظ میرے گلے میں گھونٹا گیا
پہلے باپ کی غیرت نے،
پھر بھائی کے غرور نے،
پھر شوہر کے حکم نے
میرے لہجے کا گلا دبایا

اور میں خاموش رہی
مگر میری خامشی
انقلاب کی دھڑکن بن گئی
جو آہستہ آہستہ
سروں میں گونجنے لگی ہے

تم کہتے ہو، عورت نرم ہو
میں نرم ہوں
لیکن میرے اندر
اک پتھر کی طرح سخت سچ بھی ہے

جو ایک دن
صدیوں کی خامشی سے نکل کر
ایسا کڑکتا ہے
کہ آسمان کے قافلے تھم جاتے ہیں

میں خامشی کی وہ آواز ہوں
جو تمہارے نظم شدہ معاشرے کا
سب سے غیر مرتب احتجاج ہے
میں عورت ہوں
اور جب بولتی ہوں
تو تمہاری پوری تاریخ کانپتی ہے

نظم نمبر:05
عنوان: نام کی تختی

میری پیدائش کے دن
کوئی مہندی نہیں رچی گئی
کوئی جھولے نہیں پڑے
نہ ہی کنویں پر سہیلیوں نے گیت گائے
بس اک سرسری مسکراہٹ
اور ماں کی آنکھوں میں
خاموش سی نمی تھی

میرا نام رکھا گیا
باپ کی مرضی سے،
پھر بدل دیا گیا
شوہر کی خواہش سے
پھر مٹا دیا گیا
وارثوں کی وراثت سے

میری شناخت
اک کاغذ پر لکھی تحریر تھی
جسے وقت نے بار بار

نئے حوالوں سے کاٹ ڈالا
کبھی کسی کی "بیٹی"
کبھی کسی کی "بہن"
کبھی کسی کی "بیوی"
کبھی کسی کی "ماں"

پر کبھی
صرف "میں" کہلانے کا حق نہ ملا
میرا نام،
بس نسبتوں کی زنجیر میں جکڑا رہا
میرے ہونے کی تختی
کبھی دروازے پر نہ لگی

کبھی میں اسکول کی حاضری میں پکارگئی
پر ہنر کی پہچان نہ بن سکی
کبھی دفتر میں کام کی فہرست میں آئی
مگر مشورے کی میز پر جگہ نہ پا سکی
کبھی میں سروں پر چادر بنی
کبھی پاؤں میں دھول ہوئی
مگر اپنی ذات کے نقش کو
کسی دیوار پر ثبت نہ کر سکی

اب میں چاہتی ہوں
اک نام کی تختی

جو میرے وجود کی گواہ ہو
جس پہ صرف میرا نام ہو
بغیر کسی سابقے، لاحقے، رشتے یا حوالے کے

میں چاہتی ہوں
کہ میرے نام کو عزت دی جائے
جیسے علم کو دی جاتی ہے
جیسے حوصلے کو سراہا جاتا ہے
جیسے خوابوں کو جگہ دی جاتی ہے

میں عورت ہوں
اور صرف اک "نام" سے
اک "جہان" تک کا سفر ہوں

نظم نمبر:06

عنوان: جماعت کی کرسی

میں عورت ہوں
اور میرے خوابوں کی پہلی سیڑھی
کمرہ؟ جماعت کی وہ کرسی تھی
جو ہمیشہ خالی رکھی گئی
یا پھر کسی لڑکے کے لیے مخصوص کر دی گئی

میری انگلی میں پکڑی ہوئی سلیٹ
اک دن چھین لی گئی
اور کہا گیا—
"یہ رسمِ دنیا نہیں،
لڑکیاں لکھنے کے لیے نہیں ہوتیں"

جب بھائی کے لیے بستہ آیا
تو میری گود میں چولہے کی راکھ رکھ دی گئی
میں نے بارہا کتابوں کی خوشبو کو محسوس کیا
مگر چکی کی آواز نے انہیں دبا دیا

میرے سوالوں پر ہنسی اڑائی گئی

اور میرے پڑھنے کے شوق کو
"ضد" اور "بےحیائی" کے عنوان دیے گئے
جب میں نے کہا—
"میں بھی ڈاکٹر، استاد، یا افسر بننا چاہتی ہوں"
تو جواب آیا—
"لڑکیاں اتنا پڑھ کر شوہر کی بات نہیں مانتیں"

کمرہ؟ جماعت میں
جس کرسی پر میرا نام ہونا تھا
وہ اب تک خالی ہے
یا شاید
کسی دیوار کی دراڑ میں چھپ گئی ہے

میں عورت ہوں
اور اب اپنی بیٹی کے ہاتھ میں کتاب رکھنا چاہتی ہوں
تاکہ وہ سیکھ سکے
کہ علم سے بڑی کوئی وراثت نہیں ہوتی
اور تعلیم سے اونچا کوئی زیور نہیں ہوتا

میں چاہتی ہوں
کہ ہر کمرہ؟ جماعت
لڑکیوں کی سانسوں سے آباد ہو
اور وہ کرسی
جس پہ کبھی میرا خواب بیٹھ نہ سکا

وہ میری بیٹی کا فخر بنے

میں عورت ہوں
اور میں نے علم کے دروازے پر
دستک دینا سیکھ لیا ہے
اب وہ دروازہ کھلے گا—
اور ہمیشہ کے لیے کھلا رہے گا

نظم نمبر: 07
عنوان: رنگوں کی قید

میں عورت ہوں
میرے رنگ کبھی چُنے نہیں گئے
نہ میرا لباس میرے جذبات کی عکاسی کرتا تھا
نہ میرے رنگوں کی دنیا میں
میری مرضی کی چھاپ تھی

مجھے بتایا گیا—
"یہ رنگ تمہارے لیے نہیں"
"یہ رنگ تمہارے وقار کو کم کرتے ہیں"
"یہ رنگ تمہارے کردار کی قید ہے"

پر میں جانتی ہوں
کہ رنگ صرف پردہ نہیں ہوتے
وہ آزادی کی زبان بھی ہوتے ہیں
وہ جذبات کی تسبیح بھی ہوتے ہیں

میری دنیا میں رنگ تھے—
کبھی مٹی کی سونٹھ کی سرخی
کبھی گلاب کی نرم خوشبو

کبھی نیلے آسمان کی وسعت

لیکن جب رنگ قید بن جائیں
تو یہ قید شکن بھی ہو سکتے ہیں
میں نے اپنے رنگوں کو چُنا
اپنے دل کی آزادی کو پہچانا
اور قید سے پرے اڑنا سیکھا

میں عورت ہوں
اور میرے رنگ
میرے احساسات کی زبان ہیں
نہ قید کی زنجیر

رنگوں کی اس دنیا میں
میں نے اپنی روشنی پائی
اور ہر رنگ کو میں نے
اپنی آزادی کی تصویر بنایا

نظم نمبر:08

عنوان: آواز کا حق

میں عورت ہوں
اور میری آواز
بس ہوا کا سرگوشی نہیں
یہ ایک حق ہے،
جو چراغ کی روشنی کی طرح
اندھیروں کو چیرتا ہے

جب میں بولتی ہوں
تو سن لو، یہ صرف الفاظ نہیں
میرے جذبات، میرے خواب،
میرے درد کی صدا ہے

کبھی مجھے سنا نہیں گیا
کہ میرا کلام خاموشی میں دبا دیا گیا
مگر میں نے ہار نہیں مانی
میں نے اپنے حق کی آواز بلند کی

یہ آواز

میرے وجود کی گواہ ہے
جو کہتی ہے—
"میں بھی ہوں،
میں بھی سوچتی ہوں،
میں بھی جیتی ہوں"

تم نے کہا—
"چپ رہو، بولنا نہیں"
لیکن میں نے کہا—
"بولنا میرا حق ہے"

میری آواز میں طاقت ہے
جو زنجیروں کو توڑ دیتی ہے
جو دیواروں کو گرا دیتی ہے

میں عورت ہوں
اور میری آواز
صرف میری نہیں
بلکہ ہر اُس خاتون کی داستان ہے
جو چپ کے سناٹے میں گھری ہوئی ہے
سن لو، میری آواز کو
یہ تمہیں بدل دے گی
یہ تمہیں جگا دے گی
اور یہ دنیا بدل دے گی

نظم نمبر:09

وقت کی دھار

وقت کی دھار ہے، بہتی ندی کی طرح
کبھی نرم، کبھی سخت، کبھی دھیمی، کبھی تیز
یہ ہمیں لے جاتی ہے اپنی موجوں میں
ہر پل بدلتی، ہر قدم نیا راز لیے

خواتین کی کہانی بھی ہے وقت کی دھار
پرانے بندھن توڑ کے، نئ راہیں بناتی ہیں
جو کبھی تھیں قید میں، اب کھل کے چلتی ہیں
سایوں سے نکل کے، روشنی کی سمت بڑھتی ہیں

وقت کا تقاضا ہے، صبر اور حوصلہ
تبدیلی آتی ہے، اگر ہم مل کے چلیں
ہر قدم پر یہ دھار ہمیں سنوارتی ہے
نئ دنیا کی طرف لے جاتی ہے، خوابوں کی راہ میں

تو نہ گھبراؤ، اٹھو اور بولو
وقت کی دھار میں شامل ہو جاؤ
تاریخ کے اوراق میں اپنا نقش چھوڑو
کہ عورت کا وجود ہے، وقت کی سب سے بڑی طاقت

نظم نمبر:10

خوابوں کی تعبیر

میں نے دیکھا تھا خواب وہ، جو چھپے تھے دل میں
آگے بڑھنے کی چاہت، زندگی کے سفر میں
نہ تھا کوئی روک، نہ کوئی بندش میرے راستے میں
بس ہمت کی روشنی تھی، جو جلا رہی تھی دل میں

میرے خواب بڑے تھے، پر یقین بھی ساتھ تھا
ہر مشکل گھڑی میں، حوصلہ میرا ساتھ تھا
نہ سنا میں نے کبھی "نہ" کی صدا
کیونکہ خوابوں کی تعبیر ہے محنت کا سودا

میں عورت ہوں، میں ہوں روشنی کا پیغام
میرے خوابوں کی تعبیر میں ہے زندگی کا مقام
جو بھی مانگا، پانے کی جستجو کی
اسی جستجو نے مجھے کامیابی دی

اب میں چلتی ہوں، یقین کے ساتھ اپنے خوابوں کی طرف
ہر قدم پہ میرا جذبہ، ہے امید کا چراغ روشن
میرے خوابوں کی تعبیر ہے، میری اپنی کہانی
جو میں نے لکھی ہے، محنت اور حوصلے کی زبانی
بڑھنے دو مجھے

نظم نمبر:11

پڑھنے دو مجھے

پڑھنے دو مجھے، اے دنیا کے نگہبانو!
یہ کتابوں کی روشنی ہے، میرے دل کا سہارا
ہر حرف میرے لیے ہے، نئی دنیا کا راستہ
میرے خوابوں کے جزیرے کا یہ سب سے بڑا کنارہ

پڑھنے دو مجھے، بے خوف اور بے روک
یہ الفاظ ہیں میرے خوابوں کی چابی، میرے دل کی دھڑکن
یہ علم کی روشنی ہے، اندھیروں کو مٹانے والی
یہی ہے میری پہچان، میری طاقت، میری زندگی کا جنون

پڑھنے دو مجھے، کتابوں کے سمندر میں ڈوبنے دو
جہاں ہر صفحہ ہے، نیا جہاں، نئی کہانی، نئی دنیا
میں چاہتی ہوں اڑان بھرنا، اپنے ارادوں کے پروں سے
یہی ہے میرا حق، میری آواز، میرا فخر اور میری دعائیں

پڑھنے دو مجھے، نہ روکو میری خواہشوں کو
یہی تو ہے میری آزادی، میرا خواب، میرا مقصد
جب میں پڑھتی ہوں، میں بدلتی ہوں، میں سمجھتی ہوں
یہی تو ہے وہ روشنی، جو جگاتی ہے میرے اندر کی جیت

پڑھنے دو مجھے، تمہاری توقعات کے بوجھ سے آزاد
میں ہوں ایک پرندہ، جو پرواز کرنا چاہتا ہے
میں ہوں وہ روشنی، جو سب کچھ روشن کر سکتی ہے
یہی تو ہے میرا حق، یہی ہے میری پہچان کا راز

پڑھنے دو مجھے، یہ زندگی ہے، یہ میرا وقت ہے
ہر سبق ہے ایک پل، ہر علم ہے ایک تحفہ
میں بنوں گی اپنی دنیا کی وارث، اپنی منزل کی راہگیر
یہی تو ہے میرا حق، یہی تو ہے میرا حق

پڑھنے دو مجھے، اے دل کی سنو صدا
یہ کتابیں ہیں میرے خوابوں کی زبان، میرے جذبے کی پہچان
میں ہوں ایک لڑکی، ایک لڑاکا، ایک امید کی کرن
پڑھنے دو مجھے، یہ ہی ہے میری زندگی کا ارادہ

نظم نمبر 12

عنوان: میں پڑھنا چاہتی ہوں

میں پڑھنا چاہتی ہوں
سفید چادر کی قید سے نکل کر
سیاہی کی بستی میں روشنی بننا چاہتی ہوں
مجھے اجازت دو
کہ میں لفظوں کے دریا میں تیر سکوں
حروف کے جگنو پکڑ سکوں
اور خوابوں کی کتاب کھول سکوں

میں پڑھنا چاہتی ہوں
تاکہ جان سکوں
کہ میری ذات صرف ریت کا گھر نہیں
ایک مکمل کائنات ہے
میری سوچ، میرے سوال، میرے خواب
کسی کونے میں سہم کر مرنے کے لیے نہیں
بلکہ کھل کر جینے کے لیے بنے ہیں

میں پڑھنا چاہتی ہوں
تاکہ میری ماں کے آنسو

صرف چولہے کی راکھ نہ بنیں
بلکہ علم کے دِیے میں
جلنے والے سنہرے خواب بنیں
میرے بابا کا پسینہ
مجھ پر فخر کی شکل میں چمکے
نہ کہ بیبسی کی دھول میں چھپ جائے

میں پڑھنا چاہتی ہوں
کہ میں جان سکوں
اسلام، رام، بدھ، گورو
سب نے کہا علم حاصل کرو
پھر تم کیوں روکتے ہو؟
کس خوف میں قید ہو تم ؟
کیا میری کتاب سے
تمہارے قفل کھل جائیں گے؟

میں پڑھنا چاہتی ہوں
تا کہ میں اپنے بھائی کو سمجھا سکوں
کہ بہن کتاب لے کر
سر جھکا کے چلتی ہے
تو گھر کا سرا اونچا ہوتا ہے
میں پڑھنا چاہتی ہوں
کیوں کہ میں چراغ ہوں
مجھے جلنا نہیں

جلانا ہے

میں پڑھنا چاہتی ہوں
تا کہ میں ان لڑکیوں کی آواز بن سکوں
جو کم سنی میں بیاہی گئیں
جو اسکول کی دہلیز کو ترستی رہیں
جو باورچی خانے میں
اپنے خوابوں کو بھونتی رہیں
میں ان سب کے لیے
ایک نئی صبح بننا چاہتی ہوں

میں پڑھنا چاہتی ہوں
کیوں کہ علم
نہ ہندو ہوتا ہے، نہ مسلمان
نہ امیر، نہ فقیر
یہ تو صرف چراغ ہے
جو جلتا ہے
تو سب کو روشنی دیتا ہے

میں پڑھنا چاہتی ہوں
بس اِتنی سی خواہش ہے
مجھے کتاب دو
قلم دو
صفحہ دو
اور تھوڑی سی جگہ دو

جہاں میں بیٹھ کر
اپنے کل کو روشن کر سکوں
میں پڑھنا چاہتی ہوں
میں صرف پڑھنا چاہتی ہوں

نظم نمبر 13
عنوان: تعلیم پر میرا بھی حق ہے

تعلیم پر میرا بھی حق ہے
یہ حق نہ چھینو، یہ نور نہ روکو
یہ لفظوں کا جگنو، یہ سوچ کی چمک
میرے خوابوں کے آنگن میں بھی اترنے دو

میں بھی انسان ہوں
میری آنکھوں میں بھی سوال جاگتے ہیں
میرے دل میں بھی خواہشوں کے دیے جلتے ہیں
میرے قدم بھی راستوں کو جاننا چاہتے ہیں
تو کیوں دروازے بند ہیں؟
کیوں کتابیں خاموش ہیں؟

تعلیم پر میرا بھی حق ہے
نہ میں کمزور ہوں، نہ کمتر
نہ میری ذات کوئی عیب ہے
نہ میرا وجود کوئی جرم
اگر چادر اوڑھ کر بازار جا سکتی ہوں
تو اسکول کیوں نہیں جا سکتی؟

میں بھی مکتب کی گھنٹی سننا چاہتی ہوں
استاد کی آواز میں علم کے راز پانا چاہتی ہوں
سلیٹ پر حرفوں کی پہلی لکیر کھینچ کر
اپنے کل کی بنیاد رکھنا چاہتی ہوں
مجھے بھی پڑھنے دو
میری سانسوں کو لفظوں کا رنگ چکھنے دو

تعلیم پر میرا بھی حق ہے
کہ میں اپنی ماں کو خط لکھ سکوں
اپنے بچوں کو سبق پڑھا سکوں
اپنے گھر کا حساب کر سکوں
اور دنیا سے آنکھ ملا کر
اپنے وجود کا اعلان کر سکوں

یہ اسکول کی چھت
مجھے آسمان لگتی ہے
یہ بلیک بورڈ
میرے خوابوں کا پہلا کینوس ہے
یہ کتابیں
میرے ہاتھوں میں شمع بن جائیں
تو جہالت کے اندھیرے خود مٹ جائیں

تعلیم پر میرا بھی حق ہے
یہی میرا حق، یہی میرا وقار

یہی میری پہچان، یہی میرا انکار
تم روک نہیں سکتے
میں لکھوں گی، پڑھوں گی، بڑھوں گی
کیوں کہ
تعلیم پر میرا بھی حق ہے

نظم نمبر 14

عنوان: پڑھنا ہی زندگی ہے

پڑھنا ہی زندگی ہے
یہی سانسوں کا ہنر ہے، یہی شعور کی روشنی
یہی خوابوں کا زینہ، یہی بیداری کی صدا
یہی انسان ہونے کی پہلی پہچان ہے
یہی وہ چراغ ہے
جو دل میں جلتا ہے
اور دنیا کو روشن کرتا ہے

پڑھنا
یعنی لفظوں کے سمندر میں اترنا
یعنی سوالوں سے دوستی
یعنی اندھیروں سے لڑنا
یعنی اپنے آپ کو پہچاننا
نقشِ حیات کو سمجھنا
وقت کی نبض کو تھامنا

پڑھنا
یعنی غلامی سے آزادی

یعنی خاموشی سے گفتگو
یعنی بند ذہنوں کے در وا کرنا
یعنی جھوٹی رسموں کا انکار
اور سچے خوابوں کا اقرار

پڑھنا ہی زندگی ہے
کیوں کہ یہ زندگی صرف سانس لینے کا نام نہیں
یہ دیکھنے، سوچنے، بولنے، بدلنے کا نام ہے
اور یہ سب صرف پڑھنے سے آتا ہے
علم ہی وہ کنجی ہے
جو تالے کھولتی ہے
جو انسان کو انسان بناتی ہے

جب ایک بچہ پڑھتا ہے
تو ایک نسل جاگتی ہے
جب ایک بچی کتاب کھولتی ہے
تو ایک سماج کا ضمیر جاگتا ہے
ایک قلم جب اٹھتا ہے
تو تلواریں جھک جاتی ہیں

پڑھنا
یعنی لڑکی کا پہلا حق
یعنی غریب کا پہلا ہتھیار
یعنی مظلوم کی پہلی صدا

یعنی دنیا کو بہتر بنانے کا پہلا وعدہ

پڑھنا ہی زندگی ہے
جو پڑھتا ہے وہ جیتتا ہے
جو پڑھواتا ہے، وہ انسانیت کا دوست ہے
اور جو روکتا ہے، وہ ظلم کا پجاری ہے

میں کہتا ہوں، ہم سب پڑھیں
ہم سب پڑھائیں
کیوں کہ
پڑھنا ہی زندگی ہے
اور زندگی کو جینا ہے—باوقار، باشعور، بیخوف

نظم نمبر 15

عنوان: میں پڑھ کر دنیا جیتوں گی

میں پڑھ کر دنیا جیتوں گی
اندھیروں سے لڑ کر، روشنی کا چراغ بنوں گی
تم نے جو خواب چھینے تھے
میں وہ خواب دوبارہ بُنوں گی
میں قلم سے قفل کھولوں گی
میں کتابوں سے انقلاب بولوں گی

میرے ہاتھ میں کتاب ہو
میرے ذہن میں سوال ہو
میرے دل میں امید ہو
اور میرے قدموں کے نیچے
تعلیم کا پہلا زینہ ہو
تو کیا کچھ نہیں بدل سکتا؟

میں وہ بیٹی ہوں
جسے کبھی صحن میں قید رکھا گیا
جس کے سپنوں پہ پہرے تھے
میں وہ بچی ہوں

جسے مدرسے کی گھنٹی کی آواز
صرف دروازے کے پار سنائی دیتی تھی
مگر اب میں دیواروں سے آنکھیں ملا کر
اپنا نام خود لکھوں گی

میں پڑھ کر دنیا جیتوں گی
تمہاری سوچ بدلوں گی
تمہارے لفظوں کو نئے معانی دوں گی
میں جب بولوں گی
تو سچائی کی آواز گونجے گی
میں جب لکھوں گی
تو وقت کا چہرہ بدل جائے گا

کتابیں میرے بازو ہیں
قلم میری تلوار
تعلیم میری ڈھال ہے
اور ہنر میرا اختیار
میں گاؤں، کھیتوں، شہروں سے
مکتب کی روشنی لے کر
ہر بچی کو جگاؤں گی

میں پڑھ کر دنیا جیتوں گی
میں ماں بنوں گی
تو بچوں کو آزاد سوچ دوں گی

میں بیوی بنوں گی
تو برابر کا قدم بڑھاؤں گی
میں بیٹی بنوں گی
تو غرور بنوں گی
اور اگر قائد بنوں
تو تاریخ کا عنوان بنوں گی

تم دیکھنا
یہ لفظوں کا سفر
مجھے زمین سے آسمان تک لے جائے گا
تم دیکھنا
میں پڑھوں گی
اور ہر در، ہر دربار پر
میری آواز سنائی دے گی
کیوں کہ
میں پڑھ کر دنیا جیتوں گی!

نظم نمبر 16

عنوان: پڑھنا بہت ضروری ہے

پڑھنا بہت ضروری ہے
جیسے پانی پیاس کے لیے
جیسے ہوا سانس کے لیے
جیسے خواب زندگی کے لیے
پڑھنا بھی سوچ کے لیے
عمل کے لیے
اور آزادی کے لیے ضروری ہے

پڑھنا صرف لفظوں کو جوڑنا نہیں
یہ وقت کی نبض پر ہاتھ رکھنا ہے
یہ خاموشی میں صدا تلاشنا ہے
یہ اپنے آپ سے بات کرنا ہے
پرانے زخموں پر مرہم رکھنا
اور نئے راستوں کی کھوج ہے

پڑھنا بہت ضروری ہے
کیوں کہ جب بچہ پڑھتا ہے
تو ایک خاندان بدلتا ہے

ایک نسل جگتی ہے
اور سوئے ہوئے خواب جاگتے ہیں
ایک کتاب سے
ایک قلم سے
ایک دنیا تعمیر ہوتی ہے

پڑھنا
ظلم کے اندھیرے میں چراغ ہے
جہالت کے طوفان میں کنارہ
پڑھنا وہ ہنر ہے
جو نہ چھینا جا سکتا ہے
نہ زنگ آلود ہوتا ہے
یہ ہنر، انسان کو
انسان بناتا ہے

جس گھر میں کتاب نہیں
وہ گھر خالی ہوتا ہے
جس گاؤں میں اسکول نہیں
وہ گاؤں پیچھے رہ جاتا ہے
جس ملک میں تعلیم نہیں
وہ ملک کبھی آگے نہیں بڑھ پاتا

پڑھنا بہت ضروری ہے
کیوں کہ

سوال کرنا ضروری ہے
سوچنا ضروری ہے
حق پہ چلنا ضروری ہے
اور یہ سب
تعلیم کے بغیر ممکن نہیں

آؤ ہم سب مل کر کہیں:
ہم پڑھیں گے، سب کو پڑھائیں گے
جہاں بھی اندھیرا ہو
وہاں علم کا دیا جلائیں گے
کیوں کہ
پڑھنا بہت ضروری ہے
واقعی بہت ضروری ہے!

نظم نمبر 17

عنوان: پڑھنا ہی اب مشن ہو

پڑھنا ہی اب مشن ہو
ہر دل کا، ہر ذہن کا وژن ہو
قلم بنے ہتھیار ہمارا
علم بنے پہچان دوبارہ
اندھیروں سے لڑنے کا جنوں ہو
پڑھنا ہی اب مشن ہو

نہ ہو کوئی بچہ محرومِ مکتب
نہ بیٹی ٹھہرے دروازے پہ مغموم و مرطوب
ہر گلی، ہر نگر، ہر بستی میں
کتابوں کی خوشبو بسی ہو
ہر دیوار پہ نعرہ لکھا ہو
،،تعلیم ہی زندگی کی کنجی ہو''

پڑھنا ہو تو سب کے لیے
بینا، نابینا، بچے، بڑے
خواہ مٹی کے گھر ہوں یا فصیلوں کے قصر
علم کا در سب کے لیے کھلا ہو

نہ ہو کوئی قید نہ پردہ
کہ پڑھنا سب کا حق ہو، وعدہ

ہم وہ نسل ہوں جو سوال کرے
جو تقدیر سے خود کمال کرے
جو اپنی سوچ سے زمانہ بدلے
جو ہار کو جیت میں ڈھال کرے
یہی خواب ہو، یہی راہ ہو
یہی ہمارا ایمان ہو، یہی نگاہ ہو

پڑھنا نہ صرف حرفوں کا ہنر ہو
بلکہ خود شناسی کا سفر ہو
پڑھنا سکھائے محبت، اخلاص
سچ، صداقت، اور احساس
ہو ہر مدرسہ امن کا گھر
جہاں سوچ کی ہو شمع ہر سر

آؤ آج ہم یہ وعدہ کریں
کہ کسی بھی بچی کے ہاتھ سے
کتاب نہ چھینیں گے
کسی بھی بچے کے خواب سے
رنگ نہ چھینیں گے
جہاں بھی جاہل اندھیرا ہو
ہم علم کا چراغ رکھیں گے

یہی وقت ہے، یہی صدا ہے
کہ جہالت سے بغاوت ہو
اور تعلیم کی عبادت ہو
پڑھنا ہی اب مشن ہو
پڑھانا ہی انقلاب
علم ہی ہو کامیابی کا خواب!

نظم نمبر 18

عنوان: پڑھنے دو، پڑھنا حق ہے مرا

پڑھنے دو، پڑھنا حق ہے مرا
میں بھی انسان ہوں، میں بھی خواب رکھتی ہوں
میرے ہاتھوں میں بھی کتاب سجنی چاہیے
میرے قدموں میں بھی روشنی بچھنی چاہیے

نہ روکو مجھے کہ میں لڑکی ہوں
نہ ٹوکو مجھے کہ میں چھوٹی ہوں
میرے لفظوں میں بھی تاثیر ہے
میری آنکھوں میں بھی تعبیر ہے

میں روتی ہوں جب اسکول چھوٹ جاتا ہے
میرا بچپن کسی برتن میں جھوٹ جاتا ہے
میرے کھلونے بس برتن، کپڑے اور جھاڑو
میرے لفظوں پہ پابندی، یہ کیسا سا قانون کا جادو؟

پڑھنا چاہتی ہوں میں بھی
سیکھنا چاہتی ہوں میں بھی

تقدیر کی تحریر خود لکھنا چاہتی ہوں
علم کی شمع سے اندھیرا چیرنا چاہتی ہوں

میرے گاؤں کی پگڈنڈی پہ بھی
ایک اسکول کا در کھلے
جہاں میرا نام پکارا جائے
اور میں "حاضر ہوں" کہہ کے ہنسوں کھلے دل سے

پڑھنے دو مجھے، یہ حق ہے میرا
خوابوں کی دنیا تک یہ راستہ ہے میرا
مجھے روکو مت، مجھے چھپاؤ مت
مجھے حرفوں سے ملواؤ، مجھے آئینے دکھلاؤ

میں جو پڑھ جاؤں گی
زمانہ حیران رہ جائے گا
جو مجھ پہ شک کرتا ہے
وہ خود نادان رہ جائے گا

پڑھنے دو، یہ حق ہے مرا
میں بھی تاریخ لکھ سکتی ہوں
میں بھی تقدیر بدل سکتی ہوں
میں لڑکی ہوں، لیکن کمزور نہیں
میں تعلیم سے روشن، پرزور بنوں گی
پڑھنے دو... پڑھنا حق ہے مرا!

نظم نمبر 19

عنوان: پڑھنے سے موسم بدلے گا

پڑھنے سے موسم بدلے گا،
اندھیرا پیچھے ہٹے گا،
جہالت کے بادل چھٹیں گے،
علم کا سورج نکلے گا۔

نہ ہوگی غربت کی زنجیر،
نہ سہمے گا ننھا دل اب دیر،
کتابیں بنیں گی ساتھی جب،
تو خوابوں میں رنگ بھرے گا۔

جہاں سیاہی کو عیب سمجھا گیا،
وہیں قلم انقلاب لائے گا،
ایک بچی جب اسکول جائے گی،
تو پورا قبیلہ جاگے گا۔

پڑھنا صرف الفاظ نہیں،
یہ سوچوں کی تعمیر ہے،
یہی دروازہ ہے آگے کا،
یہی روشن تعبیر ہے۔

پڑھنے سے بدلے گا چہرہ،
گلی، نگر، سماج کا ہر پہرہ،
جہاں قلم کی عزت ہوگی،
وہیں کمزور کا بھی ہوگا پہرہ۔

پڑھنے سے کھلیں گے روزن،
پھوٹیں گی روشنیاں جا بجا،
نہ ہوگا کوئی پچھڑا، اکیلا،
نہ کوئی کہے گا "بس یہ لڑکی ہے، کیا؟"

پڑھنے سے موسم بدلے گا،
ہر ذہن میں فصل اگے گی،
نفرت کی زمین پہ علم کی بارش
محبت کے بیج بودے گی۔

چلو کتابیں اُٹھاتے ہیں،
خود کو بھی اور جہاں کو جگاتے ہیں،
پڑھنے سے ہی تو زندگی ہے
پڑھنے سے موسم بدلے گا!

نظم نمبر 20
عنوان: پڑھ لکھ کر دھوم مچاؤں گی

میں ہوں وہ روشنی، جو اندھیروں کو چیرے گی،
پڑھ لکھ کر میں دنیا میں دھوم مچاؤں گی۔

کتابوں کے صفحات سے میں خواب سنواروں گی،
ہر لفظ کو اپنے جذبے سے پیار دوں گی۔

نہ کوئی رکاوٹ، نہ کوئی دیوار ہوگی،
میں تو علم کی ہوا سے بپھرا طوفان بنوں گی۔

گاؤں کی گلیوں میں جب میرے نعرے گونجیں گے،
ہر دل میں جینے کا نیا جذبہ جگائیں گے۔

پڑھائی کے دھیان سے میں اپنی تقدیر لکھوں گی،
اندھیروں کو شکست دے کر، روشنی کی راہ دکھاؤں گی۔

لڑکی ہوں، پر کمزور نہیں، ہمت سے بھرپور ہوں،
تعلیم کی طاقت سے میں ہر دیوار توڑوں گی۔

نہ کوئی مجھے روک سکے گا، نہ کوئی دبائے گا،
میں اپنی محنت سے جہاں کو ہلا دوں گی۔

پڑھ لکھ کر میں وہ ستارہ بنوں گی،
جو ہر آسمان پر چمک کر راہ دکھائے گی۔

تو سن لو دنیا، میں آ رہی ہوں
پڑھ لکھ کر دھوم مچاؤں گی!

نظم نمبر 21

عنوان: میری چپ بھی گواہی ہے

میری آنکھوں کے نیچے جو نیلا دھبہ ہے،
یہ فقط نیند کی کمی نہیں،
یہ اُس ہاتھ کی چھاپ ہے
جس نے محبت کے وعدے کیے تھے۔

میرے ہونٹ خاموش سہی،
پر ان پہ دراڑیں ہیں،
جو ہر رات کی چیخوں کو
ہونٹوں میں دفناتی رہیں۔

میں چلاتی نہیں،
کہ مجھے شور سے ڈر لگتا ہے،
جیسے بچپن میں امّی کو
چُپ رہنے کا انعام ملا کرتا تھا۔

میرے جسم پر جو دوپٹہ ہے،
وہ صرف پردہ نہیں
زخموں کا کفن ہے
جو ہر صبح نئے بدن پہ چڑھتا ہے۔

تم کہتے ہو،
ثبوت کہاں ہے؟
تو سنو—
میری چپ بھی گواہی ہے۔

میرے سکڑتے خواب،
میری بجھتی آنکھیں،
میری مدھم مسکراہٹ
یہ سب ثبوت ہیں،
کہ میں زندہ ہوں مگر جیتی نہیں۔

میں ہار نہیں مانتی
بس صبر کے ساتھ لڑتی ہوں،
کہ ایک دن
میری بیٹی یہ نظم نہ لکھے،
میری بہن، میری ماں،
میری جیسی نہ بنے۔

تو جان لو—
یہ چپ، یہ سکوت، یہ خامشی
ایک دن انصاف کی دہلیز پر
گونج بن جائے گی،
کیوں کہ
میری چپ بھی گواہی ہے۔

نظم نمبر 22

عنوان: میں جینا چاہتی ہوں

میں جینا چاہتی ہوں—
سانس کو صرف چلانا نہیں،
زندگی کو محسوس کرنا چاہتی ہوں۔

میں اُن دیواروں سے باہر نکلنا چاہتی ہوں
جہاں ہر آرزو
قید کی صدا بن کر رہ جاتی ہے۔

میں روشنی کو چھونا چاہتی ہوں
جس پر صرف بیٹوں کا حق نہیں،
میں سورج کی کرنوں میں
اپنا چہرہ دیکھنا چاہتی ہوں۔

میں جینا چاہتی ہوں—
خوف کے سائے میں نہیں،
اعتماد کے دھوپ میں
اپنے قدموں کی چاپ سننا چاہتی ہوں۔

میں صرف بیٹی نہیں،
میں ایک خواب ہوں، ایک حق ہوں،
ایک مکمل انسان ہوں
جسے سانسوں سے آگے کی امیدیں درکار ہیں۔

نہ گُھٹ کے، نہ جھک کے،
نہ سہم کے، نہ ٹوٹ کے،
میں کھل کے جینا چاہتی ہوں۔

پڑھنا، بڑھنا، بننا،
سیکھنا، بولنا، سننا،
یہ سب میرا حق ہے—
میں مکمل حق کے ساتھ جینا چاہتی ہوں۔

میرے خوابوں کی پرواز
کو پر دو، مت کاٹو،
میں کوئی پرندہ نہیں—
میں انسان ہوں،
اور انسان کی سب سے بڑی خواہش:
جینا ہے!ن

نظم نمبر 23

عنوان: مجھے مارو مت

مجھے مارو مت—
میری سانس بھی قیمتی ہے
جس طرح تمہاری ہے۔
میری آنکھیں بھی خواب دیکھتی ہیں
انہیں اندھیروں میں مت ڈھکیلو۔

میری ہڈیوں کا شور،
میرے دل کی دھڑکن
روز تمہارے ہاتھوں
سہم جاتی ہے، رک جاتی ہے۔

کیا میرے لفظ
تمہارے غرور کو چبھتے ہیں؟
کیا میری خامشی
تمہیں کمزور کرتی ہے؟
کیا میری ضد
میرے وجود کی قیمت ہے؟

میں نے روٹی مانگی،
تم نے طمانچہ دیا۔
میں نے سچ کہا،
تم نے در پر قفل لگا دیا۔

میری چادر چھینی،
میری آواز دبائی،
اور اب کہتے ہو
یہ محبت ہے؟

مجھے مارو مت—
میں تم سے زندگی مانگتی ہوں،
کوئی زیور، کوئی گفٹ نہیں۔
میں بس عزت چاہتی ہوں
تھوڑا سامان، تھوڑا سا سکون
اور تھوڑی سی جگہ—
اپنے ہونے کی۔

تم مجھ پر ہاتھ نہ اٹھاؤ،
یہ ہاتھ کسی دیوی کو چھو سکتے تھے،
کسی دعا کو اٹھ سکتے تھے،
کسی زخمی کو سہارا دے سکتے تھے۔

مجھے مارو مت—

کیوں کہ میں صرف عورت نہیں،
میں ماں ہوں، بیٹی ہوں، بہن ہوں،
اور سب سے بڑھ کر
میں انسان ہوں۔
مجھے مارو مت۔

نظم نمبر 24
عنوان: مجھے بھی چوٹ لگتی ہے

مجھے بھی چوٹ لگتی ہے،
میں بھی تو انسان ہوں—
میرا بھی دل دکھتا ہے،
میرے بھی خواب مر جاتے ہیں
جب لفظوں کے وار ہوتے ہیں
یا خامشی کے زخم پڑتے ہیں۔

تم سمجھتے ہو
میں کچھ نہ کہوں
تو درد نہیں ہوتا؟
کہ میری مسکراہٹ کے پیچھے
کچھ بھی چھپا نہیں؟
نہیں—
میں سب کچھ سہتی ہوں
پر کبھی کبھی ٹوٹ جاتی ہوں۔

مجھے بھی چوٹ لگتی ہے،

جب طعنوں کا زہر
میرے کردار کو کاٹتا ہے،
جب میرے سپنے
کچرے کی طرح پھینک دیے جاتے ہیں
صرف اس لیے کہ
میں عورت ہوں، نرم ہوں،
اور مزاحمت نہیں کرتی۔

میرے آنسو—
تمہاری جیت نہیں،
یہ میری اندرونی آگ کا دھواں ہیں۔
میری خامشی—
کمزوری نہیں،
یہ میرے ضبط کا سمندر ہے۔

مجھے بھی چوٹ لگتی ہے،
جب میں اپنی ذات کو
ہر روز دفن کرتی ہوں،
اور دنیا کو ہنستی ہوئی
خود کو دکھاتی ہوں۔

کبھی بیٹھ کر سوچنا
اگر تمہیں یہی زخم ملتے،
تو کیا تم

مسکرا پاتے؟

مجھے بھی چوٹ لگتی ہے،
اس لیے مت دو زخم—
مرہم دو، وقت دو،
احترام دو،
اور مان دو—
کیوں کہ
میں بھی انسان ہوں۔

نظم نمبر 25

عنوان: مجھے جیتے جی مت مارو ناں

مجھے جیتے جی مت مارو ناں—
میں سانس لیتی ہوں
تو کیا یہ جرم ہے؟
میں ہنستی ہوں
تو کیا یہ گستاخی ہے؟
میں خواب دیکھتی ہوں
تو کیا یہ گناہ ہے؟

میرے دل کی دھڑکنیں
تمہارے فیصلوں کی محتاج نہیں،
میری ہستی کوئی غلامی کا زیور نہیں،
میری سوچ، میری پرواز
میری سانسوں کی میراث ہے۔

جب تم
میرے لفظوں کو روکتے ہو،
میری خاموشی کا مذاق اڑاتے ہو،

میرے ہر جذبے پر قفل لگاتے ہو—
تو تم مجھے نہیں
انسانیت کو مار رہے ہوتے ہو۔

میں ہر روز مر جاتی ہوں،
جب میری عزت کو تولا جاتا ہے،
میرے لباس کو ناپا جاتا ہے،
میرے سچ کو جھٹلایا جاتا ہے،
اور میری ذات کو
صرف ''عورت'' کہہ کر کچل دیا جاتا ہے۔

کبھی خود سے پوچھو—
کیوں مجھے جینے نہیں دیتے؟
کیوں میری آنکھوں میں دھواں ہے؟
کیوں میری ہنسی میں درد چھپا ہے؟
کیا صرف اس لیے
کہ میں جھک کر چلنا نہیں چاہتی؟
کہ میں سر اٹھا کر جینا چاہتی ہوں؟

مجھے جیتے جی مت مارو ناں—
مجھے جینے دو
اپنے خوابوں کے ساتھ،
اپنی پہچان کے ساتھ،
اپنی عزت، اپنے وقار کے ساتھ۔

کیوں کہ
میں بھی تم جیسی انسان ہوں
بس ... عورت ہوں۔

نظم نمبر 26
عنوان: ظلم سہہ کر تھک گئی ہوں

نظم نگار: علیم طاہر

ظلم سہہ کر تھک گئی ہوں،
اب تو سانس بھی دکھ دیتی ہے،
ہر قدم، ہر لمحہ، ہر سایہ
زنجیر سا لگتا ہے۔

میں صبر کی تصویر بنی،
سینے میں درد چھپائے رہی،
شکوہ نہ کیا، فریاد نہ کی،
بس سب کچھ برداشت کیے گئی۔

تم نے سمجھا،
کہ میری خامشی کمزوری ہے؟
کہ میرے آنسو بے معنی ہیں؟
کہ میری چپ نے مجھے مٹا دیا ہے؟

نہیں—
میری چپ ایک چیخ ہے
جو تمہیں سنائی نہیں دی،
میرے آنسو اک سمندر ہیں
جس میں میری ذات ڈوبتی رہی۔

ہر دن ایک نیا طعنہ،
ہر رات ایک نیا زخم،
ہر لمحہ ایک نیا سوال—
کیا یہ زندگی ہے؟
یا سزائے زیست؟

میں ماں بنی، بہن بنی، بیوی بنی
لیکن کبھی خود کو "میں" نہ کہہ سکی،
اپنے ہی عکس کو آئینے میں
پہچان نہ سکی۔

ظلم سہہ کر تھک گئی ہوں،
اب خود کو آواز دینا چاہتی ہوں،
اپنے حق میں، اپنی بقا میں،
اک آخری جنگ لڑنا چاہتی ہوں۔

اب اگر چپ رہی
تو مر جاؤں گی—

اور میں جینا چاہتی ہوں،
پورے قد سے، پوری روشنی میں،
عزت سے، محبت سے،
اپنی پہچان کے ساتھ۔

نظم نمبر 27

مجھے مرنے مت دو میرے ہمسفر

مجھے مرنے مت دو، میرے ہمسفر
ابھی تو کئی خواب باقی ہیں،
ابھی تو دل میں کچھ دھڑکنیں
زندگی کے نغمے چھیڑتی ہیں۔

یہ جو تمہارے کاندھے پہ
سر رکھ کر سانس لیتی ہوں،
اس ایک پل میں
صدیوں کی تھکن اترتی ہے۔

تم اگر تھام لو ہاتھ میرا،
تو اندھیرے بھی راستہ دے دیتے ہیں،
پر اگر چھین لو ساتھ اپنا،
تو سورج بھی آنکھیں چرا لیتا ہے۔

میں تمہارے لفظوں میں جینا چاہتی ہوں،
تمہارے لمس سے بکھرتے ہوئے
وقت کو چپ چاپ سہنا چاہتی ہوں،
مگر صرف تب، جب تم ساتھ ہو۔

میرے ہمسفر، میرے دوست،
میرے جیون کے رَتھ کے ساتھی
مجھے اکیلا مت چھوڑو
کہ یہ تنہائی مجھے چاٹ کھائے گی
اور میں—
میں بس سانس لیتی لاش بن جاؤں گی۔

بس اتنا چاہتی ہوں
کہ جب میں کمزور پڑ جاؤں،
تم میرا حوصلہ بنو،
میرے زخموں پر مرہم رکھو،
میرے اندر کی ٹوٹی عورت کو
پھر سے جینے کی دعا دو۔

مجھے مرنے مت دو—
کہ تمہاری آنکھوں میں
ابھی میری کچھ مسکراہٹیں قید ہیں،
اور تمہارے دل میں
ابھی میری سانسیں چلتی ہیں۔

نظم نمبر 28

میرے ہم نوا، میرا ساتھ دو

میرے ہم نوا، میرا ساتھ دو
کہ یہ زندگی کا سفر تنہا
بہت تھکا دینے والا ہے۔

میں الفاظ میں لپٹے دکھوں کو
خامشی کی چادر میں لپیٹے
ہر روز جیتی ہوں،
مگر مرنے سے پہلے
جینے کی امید چاہتی ہوں۔

میرے ہم نوا
میری آواز کو پہچانو،
میری آنکھوں کی نمی کو
محض نمی نہ سمجھو،
یہ وہ بارشیں ہیں
جو اندر ہی اندر
سب کچھ بہالے جاتی ہیں۔

تمہیں لگا
میں مضبوط ہوں—
ہاں! میں ہوں،
مگر ہر دیوار میں دراڑیں ہوتی ہیں،
ہر مسکراہٹ کے پیچھے
کوئی چپ کی چیخ چھپی ہوتی ہے۔

میرے ہم نوا
بس اتنا کرو،
میری چپ سن لو،
میری سانسوں کی تھکن کو سمجھو،
میرے وجود کی تھرتھراہٹ کو تھام لو۔

جب سب نے چھوڑ دیا
تو تم رہو،
میری راتوں کے اندھیرے میں
تمہاری آواز کا دیا جلتا رہے،
میرے لفظوں کی لرزش میں
تمہاری محبت کی حرارت باقی رہے۔

میرے ہم نوا
بس میرا ساتھ دو—
دل سے، روح سے،
تاکہ میں خود کو پھر سے مکمل محسوس کر سکوں۔

نظم نمبر 29
میں مکمل ہوں

مجھے ادھورا مت سمجھو،
نہ کم تر، نہ تابع، نہ سائے کی مانند۔
میں کوئی کمی نہیں،
میں خود ایک مکمل وجود ہوں— بے نیاز، بے حد۔

میرے سوالوں میں آگ ہے،
میرے خوابوں میں پرواز،
میں اپنی پہچان خود لکھتی ہوں،
کسی نسبت کی محتاج نہیں۔

میری ہنسی، میری ہار،
میرا سکوت، میری پکار،
سب میری کتاب کے باب ہیں
جن پر کسی اور کی روشنائی کا حق نہیں۔

مجھے اجازت نہیں چاہیے—
نہ جینے کی، نہ چننے کی،
میں اپنی چاہت کی سند ہوں
میری مرضی ہی میرا آئین ہے۔

یہ جو تم اصول تھماتے ہو،
رواجوں کی زنجیر پہناتے ہو—
وہ مجھ پر نہیں چلتی،
کیوں کہ میں مکمل ہوں،
کسی کمزور خیال کا اضافہ نہیں۔

نظم نمبر 30

میں تھک گئی ہوں مرے راز داں

میں تھک گئی ہوں، مرے راز داں
اب نہ ہنسی ہے، نہ آنکھوں میں جاں
دل کی دیواریں چھلنی چھلنی
سانسوں کا بوجھ بھی لگتا ہے دھواں

میں تھک گئی ہوں، یہ دن کا شور
یہ رات کی چپ، یہ بے حاصل دور
یہ رشتوں کی زنجیر، یہ رسم وراہ
یہ سب کچھ اب لگتا ہے محض اک گناہ

مرے کاندھوں پر خوابوں کا بوجھ
مرے لفظوں میں دکھوں کی سوجھ
میں مسکراتی رہی عمر بھر
پر اندر ہی اندر روئی ہر پہر

مرے راز داں، تُو تھا کہاں؟
جب بکھرے لمحے تھے داستاں
جب خود سے خود کا رشتہ ٹوٹا

جب سچ کا سورج اندر چھوٹا

میرے زخموں کو مرہم دے
میرے لہجے کو کچھ نرمی دے
میں سچ کہوں گی، تُو سن لے بس
مرے درد کی کوئی حد بھی رکھ

میں تھک گئی ہوں، مگر اب بھی
دل میں ہے اک شعلہ سا جیسا کبھی
امید کی لو بجھی تو نہیں
میں ہار گئی ہوں، مری روح نہیں

مرے راز داں، تو چپ نہ رہ
میری تھکن کا کوئی ذکر کہہ
مجھے تھام لے، مجھے سنبھال لے
مجھے خامشی سے نیا حال دے

نظم نمبر 31

میرا بدن، میری مرضی

نہ نظریں تولیں، نہ لفظ چبھیں
نہ سوچوں پہ پہرے، نہ سانسیں رکیں
یہ جسم مرا ہے، یہ حق مرا ہے
میں جیوں جیسے چاہوں، یہ خواب مرا ہے

نہ چھونے کی اجازت بے اذن ہو
نہ قربت کا دعویٰ خاموش جنوں
میری ہاں میں ہی ہے زندگی
میری نہ میں ہی ہے بندگی

یہ چادر، یہ چار دیواری
محفوظ تب ہے جب ہو برابری
نہ طعنوں کی زنجیر، نہ خدشوں کی دیوار
میری مرضی سے جڑا ہے میرا وقار

میں بیٹی بھی ہوں، میں ماں بھی ہوں
میں نظموں کی جاں، فغاں بھی ہوں
مگر سب سے پہلے انسان ہوں
خود اپنے بدن کی پہچان ہوں

یہ دھڑکن، یہ سانسیں، یہ رنگت، یہ روپ
یہ میرے ہی اندر کے خوابوں کی دھوپ
مجھے حق ہے خود سے محبت کروں
کسی جبر کے سائے سے باہر نکلوں

میرا بدن، میری مرضی ہو
نہ جھوٹ کا پردہ، نہ دُکھ کی لو
میں جینے کا حق مانگتی نہیں
بس اعلان کرتی ہوں، میں بھی ہوں وہی

نظم نمبر 32

میری مرضی کا احترام کرو

تمہیں حق ہے سوچنے کا،
مگر مسلط کرنے کا نہیں۔
مجھے حق ہے جینے کا،
اپنے طریقے سے، اپنی زمین پر۔

میرے لفظوں کو مت موڑو،
میرے سکوت کو کمزوری نہ جانو۔
میں جو کہوں، وہی سچ ہے میرے لیے،
میری ہاں ہاں ہے، اور میری نہ، نہ ہے۔

میری مسکراہٹ کا مطلب مت گھڑو،
میرے لباس پر فتویٰ نہ دو۔
میری ذات کوئی سوال نہیں،
جو ہر لمحے تمہارے جواب کی محتاج ہو۔

مجھے اپنی آنکھوں کی نظروں میں نہ پرکھو،
مجھے میرے دل، میرے شعور سے جانچو۔

میری مرضی وہ آئینہ ہے
جس میں تمہیں اپنی سوچ کا عکس بدلنا ہوگا۔

عزت، صرف تمہارا حق نہیں،
میری بھی پہچان ہے، میرا بھی مان ہے۔
پس، میری مرضی کا احترام کرو،
کہ یہ صرف نظم نہیں، میرا اعلان ہے۔

نظم نمبر 33

مجھ پر میرا حق بنتا ہے

یہ جسم، یہ سانسیں، یہ دل کی دھڑکن،
میری پہچان ہیں، میرا وجود ہیں۔
یہ پلکیں، یہ ہاتھ، یہ خواب وخیال،
سب کچھ میرا ہے، سب پہ میرا اختیار ہے۔

تم کیوں طے کرو، میں کیا پہنوں؟
کس راہ چلوں، کیا سوچوں، کیا بولوں؟
میرے احساسات کی ناپ مت لو،
میری خاموشی کو مجبوری نہ مانو۔

میری خاموشی میں احتجاج چھپا ہے،
میری چیخ میں صدیوں کا دکھ بسا ہے۔
میں صدیوں سے قید میں ہوں،
مگر اب، زنجیریں توڑنے کا وقت آیا ہے۔

تمہاری سوچ کا قفل اب زنگ آلود ہے،
میری مرضی کی چابی اب میرے ہاتھ ہے۔

میں جسم نہیں، ایک مکمل انسان ہوں،
میرے جسم کا بھی، میری روح کا بھی،
ہر ذرے پر صرف میرا حق بنتا ہے۔

نظم نمبر 34
میں فقط کوئی جسم نہیں ہوں

میں فقط کوئی جسم نہیں ہوں،
نہ گوشت کا پتلا، نہ سانسوں کا پتھر۔
میں خواب ہوں، امید ہوں،
میں سوچ کی روشنی، جذبوں کی لہر ہوں۔

میری آنکھوں میں صدیوں کا سفر ہے،
میری آواز میں بیشمار سچ دفن ہیں۔
تم نے جو دیکھا، وہ ظاہر تھا صرف،
میرے باطن کی گہرائی تم نے کب جانی ہے؟

میرے لفظوں کو لباس مت دو،
میرے خاموش وقار کو کمزوری نہ سمجھو۔
میں جو ہنستی ہوں، اُس میں کرب چھپا ہے،
میں جو چپ ہوں، اُس میں طوفان چھپا ہے۔

میرے جسم پر مت لکھو تمہارا قانون،
یہ میرا ہے، صرف میرا،

اس کی رضا، اس کا فیصلہ —
میری مرضی، میرا جنون۔

میں فقط کوئی جسم نہیں ہوں،
میں انسان ہوں، شعور ہوں،
میں وہ عورت ہوں جو جانتی ہے
کہ اب زمانہ بدل رہا ہے۔

نظم نمبر 35
میرے جسم کو نہ گھوریئے

میرے جسم کو نہ گھوریئے،
یہ کوئی تماشا نہیں،
نہ بازار کی شے ہوں میں
کہ نظروں سے ترازو کیا جائے۔

یہ ہاتھ، یہ چہرہ، یہ پیر،
میرے اپنے ہیں،
میری مرضی کے تابع،
کسی اور کے حکم کے نہیں۔

جب میں گزر جاؤں،
تو نظریں جھکا لیجئے،
مجھے خود پر یقین ہے،
آپ کی رضا درکار نہیں۔

میری چال، میری آواز،
میری مسکراہٹ، میری بات،

یہ سب اظہار ہے
میرے جینے کے حق کا۔

نہ میرے کپڑوں کا جواز تلاش کیجئے،
نہ میری خامشی کا مفہوم گھڑیے۔
میں اپنی ذات کی وارث ہوں،
میری خامشی بھی میرے اختیار میں ہے۔

میرے جسم کو نہ گھوریئے،
مجھے بس انسان جانیے،
ایک مکمل، باشعور عورت
جس کی عزت، وقار،
کسی نظریے کی محتاج نہیں۔

نظم نمبر 36

مجھے حق ہے اپنے وجود پر

مجھے حق ہے اپنے وجود پر،
میرے بدن کی ہر لہر پر،
میرے لمس، میری خوشبو،
میرے سوچوں کے ہر نگر پر۔

میں خود کو جانوں، میں خود کو مانوں،
میرے فیصلوں میں کوئی دخل نہ دے،
نہ نصیحت کی چادر اوڑھائے کوئی،
نہ غیرت کا خنجر سونپے مجھے۔

میری سانسوں کی تال پہ میں جیوں،
میرے جذبوں کا رنگ میں چنوں،
نہ کسی کی آنکھوں کا اشارہ ہو،
نہ کسی زبان کا پیمانہ ہو۔

میری ہنسی ہو یا آنکھ کا نم،
یہ سب میرا حق ہے، میرا صنم،
نہ زبردستی، نہ دباو؟ کا پل،
میں اپنی ہوں، بس یہی ہے اصل۔

تم کیوں بتاو؟ کب ہنسوں،
کیوں سکھاو؟ کب چپ رہوں؟
میں عورت ہوں، میں مکمل ہوں،
میں خود ہی اپنی منزل ہوں۔

تو بس اتنا مان لیجئے،
مجھے حق ہے اپنے وجود پر،
میرے بدن پہ میرا ہی حکم ہو،
میری روح پہ میرے ہی عہد کا نور رہو۔

نظم نمبر 37

میری مرضی کیوں محتاج رہے

میری مرضی کیوں محتاج رہے؟
کبھی رسموں کی، کبھی رواج رہے؟
کبھی چپ کے پیچھے چھپتی ہے،
کبھی ضد بن کے سسک سسکتی ہے۔

کیوں ہر قدم پہ سوال اٹھے؟
کیوں ہر نظر میں کمال اٹھے؟
میں جو بھی پہنوں، جو بھی کہوں،
کیوں ہر بات پہ زوال اٹھے؟

کیا میں کوئی مہر لگی چیز ہوں؟
کسی سوچ کی قید میں بند ہوں؟
نہ میں مال ہوں، نہ زمین کوئی،
میں احساس ہوں، میں یقین کوئی۔

جو حق تمہیں ہے وہی مجھے دو،
میرے خوابوں کو بھی روشنی دو،
مجھے سانس لینے کا ڈھنگ ملے،
میرے لفظوں کو بھی اُڑان ملے۔

نہ طعنوں کا جال ہو، نہ پردوں کا زہر،
نہ جھوٹی شرم، نہ جھوٹی ڈر،
میری مرضی کو آزادی دو،
میرے حق کو بس تسلیم تو کرو۔

میں عورت ہوں، میں بھی مکمل ہوں،
نہ کم تر، نہ بے عقل ہوں،
میری مرضی کیوں محتاج رہے؟
میرے فیصلے کیوں سراج رہے؟

نظم نمبر 38

مجھے سب پتہ ہے

مجھے سب پتہ ہے...
کہ کون سی نگاہ کب،
میرے جسم کو ناپتی ہے
اور کب زبان کی نوک سے
میرے وجود کو کاٹتی ہے۔

مجھے سب پتہ ہے...
کہ ہنسی کے پردے میں
کیسی نیت چھپی ہوتی ہے،
کہ سوال کیسا لگتا ہے
اور خامشی میں بھی کیسا جبر چھلکتا ہے۔

مجھے یہ بھی پتہ ہے
کہ مجھے کب "سمجھایا" جائے گا
میرے "بھلے" کے نام پر
میری مرضی کو جلایا جائے گا۔

مجھے سب پتہ ہے...
کہ عزت کے نام پر
میرے خواب کیسے روندے جاتے ہیں
اور غیرت کے گلیاروں میں
میری سانسیں کیسے گونجی جاتی ہیں۔

لیکن اب نہیں—
اب میں چپ نہیں رہوں گی
اب میں صرف برداشت کا پیکر نہیں،
اب میں اپنی ذات کی محافظ ہوں،
اپنے بدن کی پہچان خود ہوں۔

میرے فیصلے میری سوچ ہوں گے
نہ تمہاری اجازتوں کے محتاج،
نہ کسی بندش کے غلام
نہ کسی رواج کے بھکاری۔

مجھے سب پتہ ہے...
اور اب
میں سب کہوں گی۔
میں سب جیوں گی۔
میں سب چنوں گی۔

نظم نمبر 39

بہت ہوا

بہت ہوا!
اب اور نہیں—
اب میں خامشی کی زنجیریں
توڑنے لگی ہوں،
اب میں صبر کی چھاؤں سے
نکلنے لگی ہوں۔

بہت ہوا!
میرے خوابوں کو
تم نے رسموں کے کمرے میں قید کیا،
میرے لفظوں کو
خوف کی گود میں سلا دیا،
میری ہنسی کو
تہذیب کی قینچی سے تراشا
میرے جسم کو
"عزت" کے نام پر بیچا۔

بہت ہوا!

اب میں خود کو سنبھالوں گی
اپنے حق پہ ڈٹ جاؤں گی
جو سچ ہے، وہ کہوں گی
جو دکھ ہے، وہ جَھلوں گی
مگر اب خود کو نہ بیچوں گی
کسی رواج، کسی بندش، کسی فتوے پر۔

بہت ہوا!
مجھے میری پہچان لوٹاؤ
میرے خوابوں کی اُڑان لوٹاؤ
مجھے میرے سوالوں کے جواب دو
یا سنو—
میں اب خود جواب بن جاؤں گی!

نظم نمبر 40
اب بس بھی کرو

اب بس بھی کرو—
کب تک میری آواز کو دَباؤ گے؟
کب تک میرے قدموں کو
ریشم کی زنجیروں میں باندھو گے؟
کب تک میرے چہرے پہ
نقابوں کے حکم سناؤ گے؟

میں تھک گئی ہوں
تمھارے "شرف" کے پھیلائے جالوں سے،
تمھاری غیرت کے گٹھری جیسے
الفاظوں سے،
میرے جذبوں پہ پہرہ ہے،
میرے ہونٹوں پہ تالے کیوں؟
میرے جسم پہ حق جتانے والے
کیا میرے خدا ہیں؟

اب بس بھی کرو—
محبت اگر کرتے ہو

تو مجھے سنو، سمجھو، سراہو
نہ کہ قابو پاؤ، دباؤ، اور چُپ کرواؤ!

میری ذات کا فیصلہ
میری مرضی سے جُڑا ہے،
نہ تمھاری نظر سے
نہ سماج کی مرضی سے۔

اب بس بھی کرو—
اب میں خود کو بولنے دوں گی،
چاہے تم سنو یا نہیں،
مانو یا نہیں،
لیکن میں کہوں گی
اور برابر کے لہجے میں کہوں گی
کہ میں ہوں، میں حق رکھتی ہوں
اپنی سوچ، اپنی راہ،
اور اپنے جسم پر بھی۔

نظم نمبر 41

وراثت میرا حق ہے

میرے ہاتھ میں بھی قلم تھا،
میرے خواب بھی روشن تھے،
میں نے بھی باپ کی دہلیز پہ
پیار، خدمت، آنکھیں رکھیں تھیں۔
پھر کیوں میرا نام
وصیت کے صفحوں سے کٹ گیا؟
کیوں خالی جھولی لے کر
میری دعائیں لوٹ گئیں؟

میں بیٹی ہوں، بوجھ نہیں،
میں وارث ہوں، وارثہ بھی،
میرے حق کی ہر وہ اینٹ
جو دیوار میں چُنی گئی،
وہ میری شناخت ہے،
میری پہچان ہے۔

کتاب کہتی ہے

بیٹی کا حصہ ہے،

قلم کہتا ہے
قانون میں اُس کا نام ہے۔
پھر کیوں دستورِ دل و درد میں
وہ سطر کبھی لکھی نہیں جاتی؟

وراثت صرف زمین نہیں،
یہ احترام ہے، اعتبار ہے،
یہ وہ حق ہے جو
میرے خون کی پہچان ہے۔

مت چھینو مجھ سے میرا نام،
نہ کرو میرے حق سے انکار،
میرے باپ کی زمین ہو،
یا ماں کے خوابوں کی دیوار—
میں حقدار ہوں،
میں وارث ہوں۔

وراثت میرا حق ہے—
یہ حق مجھے دو۔

نظم نمبر 42
مرا حق مجھے دو

میں نے صدیوں کی گرد اُڑائی،
چپ کی زنجیروں کو توڑا،
پاؤں میں پڑی بیڑی کو
اپنے خوابوں سے کھولا۔

میری آنکھوں نے بہت کچھ دیکھا،
میرے لب مدتوں خاموش رہے،
میرے حصے کی روشنی کو
دوسروں کے نام کیا گیا۔

کہاں لکھا ہے کہ
میں مانگوں تو گستاخ کہلاؤں؟
کہاں ہے وہ قلم
جو میرے حصے کی سچائی لکھے؟
کب تک خامشی کی چادر اوڑھوں؟
اب میری آواز گونجے گی۔

نہ خیرات، نہ رحم کا وعدہ،

نہ تمہارا احسان مانوں گی،
جو میرا ہے،
بس اُسی کا تقاضا ہے—
میرے خواب، میری زمین،
میری وراثت، میری پہچان!

میں صدا نہیں،
زندہ وجود ہوں،
میرے نام کی تختی کو
اب دیوار پہ ٹنگا دیکھو۔

یہی وقت ہے، یہی لمحہ ہے—
میری آواز سنو،
میرے قدموں کی چاپ پہچانو،
اور کہو:

ہاں! مرا حق مجھے دو!

نظم نمبر 43
مرا حق کیوں چھین رہے ہو

مرا حق کیوں چھین رہے ہو؟
میں بھی اسی مٹی کی بیٹی ہوں
جس مٹی سے تم نے خواب بُنے،
جس مٹی میں تم نے رستے چُنے۔

میری خواہش، میری آواز
کیا تمہیں بوجھ لگتی ہے؟
میرے حصے کی چاندنی
کیوں تمہاری دیواروں میں قید ہے؟

کب تک میرے حصے کی زمین
تم اپنے نقشے میں رنگو گے؟
میں سایہ نہیں، میں روشنی ہوں،
میرے حصے کا دن کیوں ڈھونڈتے ہو راتوں میں؟

کیا صرف تم ہو وارث؟
کیا صرف تم ہو قابل؟
میرے خواب بھی جائیداد ہیں،
میرے لفظ بھی قانونی سند رکھتے ہیں۔

میں جو لکھوں، وہ معتبر کیوں نہیں؟
میں جو چاہوں، وہ ممکن کیوں نہیں؟
میری چاہت پہ سوال کیوں؟
میرے حق پر زوال کیوں؟

مرا حق، میرا وقار
میرے وجود کا انکار مت کرو—
اب نہ میں رکوں گی،
نہ جھکوں گی،
نہ سچ سے منہ موڑوں گی۔

کہہ رہی ہوں تم سے:
مرا حق کیوں چھین رہے ہو؟

نظم نمبر 44
میں پرائی نہیں ہوں

کہتے ہو—
"بیٹیاں تو پرائی ہوتی ہیں"
پر میں پوچھتی ہوں—
کب؟
کس گھڑی؟
کس اصول سے؟

کیا میں پرائی تھی
جب میری ہنسی سے
تمہارے دن روشن ہوتے تھے؟
یا جب میری تھکن
تمہیں تھکنے نہ دیتی تھی؟

میں وہ ہاتھ ہوں
جو گھر کا سکون بنتے ہیں،
میں وہ دعا ہوں
جو ہر آنگن میں امن بوتی ہے۔

میں وہ بیٹی ہوں
جو تمہارے نام سے پہچانی گئی،
وہ بہن
جو ہر موڑ پر دیوار بنی،
وہ ماں
جو تمہیں دنیا دکھا گئی۔

پھر کیوں کہہ دیا—
"یہ تو پرائی ہے!"
کیا محنت، محبت، ایثار
کا بھی کوئی وطن ہوتا ہے؟
کیا رشتے بھی
بیع و فروخت کی چیز ہوتے ہیں؟

میری آنکھوں میں خواب ہیں
میرا دل بھی دھڑکتا ہے
میں رخصت تو ہو جاؤں گی،
مگر پرائی نہیں ہوں۔

یاد رکھو—
میں بیٹی ہوں،
میں اپنی ہوں،
میں پرائی نہیں ہوں۔

نظم نمبر 45

مجھے انصاف چاہئے

نہ زکاۃ سمجھو،
نہ خیرات دو—
مجھے میرا حق دو،
مجھے انصاف چاہئے۔

میرے ہاتھ میں کشکول نہیں،
میرے لہجے میں فریاد نہیں،
میں صرف سوال کرتی ہوں—
کیوں میری آواز دبائی گئی؟
کیوں میرے زخم چھپائے گئے؟

میں وہی معاشرہ ہوں
جس کی دیوار پر
تم نے "عدل" لکھا تھا،
مگر دروازہ
ہمیشہ میرے لیے بند رہا!

جب میرے سپنے چھینے گئے،
جب میری خامشی نوچی گئی،
جب میرے کپڑے ثبوت بنے،
تب کہاں تھے تم؟

میں انصاف مانگتی ہوں
کسی رعایت کی بھیک نہیں،
برابر کی کرسی پر جگہ،
سچ کی زبان،
قانون کا دیا ہوا نور۔

مجھے انصاف دو—
ایسا انصاف
جو صرف کتابوں میں نہ ہو،
جو صرف امیروں کا نہ ہو،
جو مجھے بھی انسان سمجھے!

میں صدیوں سے جلی ہوں،
اب شعلہ بن کر کہتی ہوں—
مجھے انصاف چاہیئے،
ہاں، مجھے انصاف چاہیئے!

نظم نمبر 46

انصاف، نگاہیں ذرا اِدھر بھی

عدالت کی دیوار اونچی ہے
مگر میری فریاد کم نہیں،
انصاف کی دیوی،
ذرا پلکیں اٹھا
ادھر بھی تو دیکھ!

یہ چہرہ جو زخموں سے خالی نہیں،
یہ آنکھیں جو نیند سے خالی ہیں،
یہ سینہ جو حق سے محروم ہے،
بس صدائیں نہیں،
ثبوت بھی رکھتا ہے!

جو چیخی تھی
تو بدنام ہوئی،
جو چپ رہی
تو بینام ہوئی—
ایسا انصاف کب تک چلے گا؟

ترازو کب برابر ہوگا؟
کب میری کہانی
سچ مچ سنی جائے گی؟
کب میری چادر
محفوظ کہلائے گی؟

میں صرف عورت نہیں—
میں انصاف کی پیاسی ہوں،
میں صبر کا آخری کنارہ ہوں،
اب نگاہیں موڑو،
ذرا اِدھر بھی!

جہاں سچ کا سورج ڈوبا نہیں،
جہاں حرف کی قیمت باقی ہے،
وہیں کہیں
میری امید بھی جاگے گی۔

تو آ انصاف،
چشم بینا کے ساتھ،
سنو، سمجھو، اور پھر
فیصلہ دو—
مگر بیچینوں کے حق میں!

نظم نمبر 47
مرا ہمسفر جو نہیں، تو پھر کیا
(وراثت میرا حق ہے)

میرے خواب، میری محنت کے سب رنگ
میرے نام سے چھینے کیوں گئے؟
جائیداد کے کاغذ پہ
میرا نام کیوں درج نہ ہوا؟

کیا میں نے سانسیں کم لیں تھیں؟
یا کم تھی میری چاہت؟
باپ کا گھر ہو یا بھائی کی چھاؤں،
میری ذات کا بھی کوئی حق تھا۔

مرا ہمسفر جو نہیں،
تو کیا میرا اختیار بھی چھین لو گے؟
مجھے محض سہاگ کا زیور دو گے؟
میرے باپ کی زمین پہ سوال نہ اٹھے؟

میری قربانیاں کیوں بے مول ہیں؟
میری گود خالی، دل پر بوجھ،
پھر بھی نام تیرا چمکے،
اور میں بس خاموش رہوں؟

بس بہت ہوا!
اب قانون کا ہر صفحہ
میری گواہی مانگے گا،
میرا حصہ، میری شناخت
اب انکار سے نہیں چھپے گا۔

مرا ہمسفر اگر نہ ہوا،
تو میں خود ہی اپنی آواز بنوں گی،
میرے نام کی زمین پہ
میرے حق کی روشنی جگاؤں گی۔

نظم نمبر 48

مجھے وراثت سے محرومی کیوں

میں بھی اسی گھر میں پلی،
جہاں تم نے پہلی بار آنکھ کھولی،
میں بھی اسی باپ کی بیٹی ہوں،
جس کے نام سے تم فخر کرتے ہو۔

پھر کیوں میرے حصے کی بات آئے،
تو زبانیں بند ہو جاتی ہیں؟
قانون کی کتاب میں
میرا نام کیوں مدھم ہو جاتا ہے؟

کیا بیٹی ہونا گناہ ہے؟
کیا میرا خون، میرا نسب،
کسی کاغذی رشتے کا محتاج ہے؟
یا میں صرف ایک رسم کی ادھوری لکیر ہوں؟

وراثت میری پہچان ہے،
میری محنت، میرے حق کا انعام،

پھر کیوں دروازے بند ہیں؟
کیوں آنکھوں میں سوال ہیں
اور ہاتھوں میں خالی پن؟

میں محرومی کی عادی نہیں،
نہ اب بنوں گی،
مجھے وہ سب کچھ چاہئے
جو میرا حق ہے،
میرے حصے کی زمین،
میرے خوابوں کی بنیاد۔

میں سوال بن کر نہیں جینا چاہتی،
میں جواب چاہتی ہوں—
صاف، سیدھا،
میرا حق
مجھے کیوں نہیں ملتا؟

نظم نمبر 49

قانون میرا سچا منصف

قانون ہے میری امید کا روشن چہرہ،
جو ظلمتوں میں بن جائے رہبر سچا،
جس کے حرف مجھے تحفظ دیں،
جس کے فیصلے میرے زخم سی دیں۔

میں وہ عورت ہوں جو صدیوں سے
حق سے محروم رکھی گئی،
لیکن اب میں جاگ چکی ہوں،
میرے لبوں پر صدا ہے وہی—
قانون میرا سچا منصف!

مجھے وراثت چاہیے،
نہ احسان، نہ خیرات،
میرے باپ کی چھت کا
میرا بھی ہے کوئی حق، کوئی ثبات!

جب قانون کہے،
"بیٹی بیٹے کے برابر ہے"

تو سماج کیوں خاموش کھڑا ہے؟
جب آئین میرا محافظ ہے
تو روایتیں کیوں بغاوت پر آمادہ ہیں؟

قانون!
تو صرف کتابوں میں نہ رہ،
میرے دروازے پر بھی آ،
انصاف کا نقارہ بجا،
اور بتا دے دنیا کو
کہ عورت صرف صبر کا نام نہیں،
وہ خود انصاف کی فریاد ہے،
اور قانون اس کا سچا جواب!

نظم نمبر 50

مری وراثت مل کے رہے گی

یہ جو کاغذ کے چند صفحے ہیں
میرے حق کی پہچان بنیں گے،
یہ جو مہر ہے عدالت کی
میرے خوابوں کا اعلان بنے گی۔

میں وہ صدیوں کی خاموشی ہوں
جسے آواز کا حق نہ ملا،
میں وہ چراغ ہوں جو بجھایا گیا
مگر لو بجھ نہ سکی کبھی۔

میرے حصے کی دھوپ،
میرے صحن کا ایک گوشہ،
میرے والد کی محبت کا امانت،
کسی بھائی کا احسان نہیں—
میرا حق ہے، میرا نام ہے اس پر۔

روایات کی زنجیر توڑوں گی،
میرے ساتھ ہیں قانون کی روشنی،

میرے قدموں میں عزم کا صحرا،
میرے لہجے میں صدیوں کی سچائی۔

میں کہتی ہوں —
نہ صرف کہوں گی، منواؤں گی
میری وراثت،
میرے نصیب کا سوال نہیں،
میری زندگی کا عدالتی فیصلہ ہے۔

مری وراثت مل کے رہے گی!
یہ وعدہ ہے میرا،
یہ نعرہ ہے میرا،
یہ حق ہے میرا —
اور میں لے کے رہوں گی!

نظم نمبر 51

بھائیو! میں تمہاری برابری ہوں

بھائیو!
میں تمہاری جیسی سانس لیتی ہوں،
اسی مٹی کی خوشبو میری رگوں میں بھی ہے،
میری آنکھوں میں بھی خواب پلتے ہیں،
میرے دل میں بھی اُمیدیں جیتی ہیں۔

تم نے جو کھیت میں ہل چلایا،
میں نے چولہا جلا کر گھر بسایا،
تم نے تعلیم کا چراغ روشن کیا،
میں نے اس روشنی کو سنبھالا،
تم نے وراثت کی فہرست لکھی،
مگر میرا نام کیوں نہ ڈالا؟

کیا بیٹی ہونا،
برابری کے حق سے کم تر ہے؟
کیا میرا وجود،

کسی رشتے کا محتاج ہے؟

بھائیو!
میں تمہاری برابری ہوں،
میرے حصے کی زمین،
میرے باپ کی نشانی ہے،
کوئی احسان نہیں،
یہ میرا حق ہے—
میری پہچان ہے۔

میں تم سے چھیننا نہیں چاہتی،
میں تو صرف اپنا مانگتی ہوں،
جو کاغذ پر میرا ہے،
جو قانون میں میرا ہے،
جو رب نے بھی برابر دیا ہے۔

بھائیو!
میرے نام کی سطر بھی لکھ دو،
میرے حصے کا نور بھی بانٹ دو،
کہ کل جب وقت فیصلہ سنائے،
تو ہم سب ایک ساتھ سر اٹھائیں۔

نظم نمبر 52
میرا حق بیٹی ہونے سے کم کیوں؟

جب میں پیدا ہوئی،
تو دعائیں بھی ہوئیں،
مگر کہیں دل کے کونے میں
اداسی سی چھپی تھی—
کہ بیٹی ہے!

میں ہنسی، چلی، بڑھی،
خواب دیکھے،
خدمتیں کیں،
دھوپ میں جلی،
پر سنا ہر بار
"تم تو پرائی ہو!"

میرے ہاتھ میں بھی
قلم آیا،
میں نے بھی

کتابوں میں
زندگی تلاش کی،
پھر بھی میرے حصے کی
زمین،
میرے نام کا کاغذ
خاموش رہا۔

میرا حق،
میرے بھائی سے چھوٹا کیوں؟
کیا میں ماں کی ممتا سے کم تھی؟
کیا باپ کے سائے کی حقدار نہ تھی؟

بیٹی ہونا جرم نہیں،
یہی تو پہلا رشتہ ہے
جو ہر مرد کو انسان بناتا ہے،
پھر میرا حق
بیٹی ہونے سے کم کیوں؟

میں وارث ہوں—
محض ایک سایہ نہیں،
میری پہچان ہے
میرے نام میں،
میرے حق میں،
میرے وجود میں۔

اب نہ روکو،

نہ ٹالو،

نہ بہلاؤ!

بس اتنا مان دو

جتنا قانون نے،

جتنا رب نے،

جتنا انسانیت نے دیا ہے۔

نظم نمبر 53
میں علم کی وارث ہوں

میں نے کتابوں میں خود کو ڈھونڈا ہے،
صفحات پہ روشن خواب چمکتے دیکھے ہیں۔
میری انگلیوں نے حروف کو چھوا،
تو حرف دعا بن گئے، روشنی بن گئے۔

میں وہ ہوں جو مکتب سے دور رکھی گئی،
کہ "عورت کو علم نہیں، صبر سجتا ہے!"
مگر میں نے سوال کیے،
اور ہر سوال میں اک نئی دنیا آباد کی۔

میرے ہاتھ میں قلم آیا
تو دیواریں لرزنے لگیں،
میرے لفظوں میں شعور جاگا
تو صدیوں کی خامشی کانپ گئی۔

میں مکتب، میں مدرسہ، میں مزار نہیں—
میں وہ زندہ سوال ہوں

جو ہر سطر پر
برابری کا جواب مانگتا ہے۔

علم پر صرف تمہارا حق نہیں—
یہ روشنی سب کے لیے ہے!
میں بھی اس علم کی وارث ہوں،
میں بھی عقل کی امانت دار ہوں۔

اب نہ روک سکو گے،
نہ ڈرا سکو گے—
میری آنکھوں میں جو خواب لکھے گئے ہیں
وہ علم کی لو سے جلتے ہیں۔

میں کہتی ہوں—
"میں علم کی وارث ہوں!"
میرے لفظوں کو میراث مت سمجھو،
یہ بغاوت بھی ہیں، بیداری بھی،
یہ آئندہ کی تاریخ کا آغاز ہیں۔

نظم نمبر 54
میری زبان مت کاٹو

مت کاٹو میری زبان—
یہ کوئی شعلہ نہیں
جو تمہیں جلا دے،
یہ وہ چراغ ہے
جو اندھیروں کو مٹاتا ہے۔

جب میں بولتی ہوں،

تو لفظوں سے صرف آواز نہیں آتی—
صدیوں کا سچ نکلتا ہے،
دھڑکتے دل کی گواہی،
دبی ہوئی چیخوں کی روشنی۔

میری زبان پہ پہرا کیوں؟
کیا سچ بولنا جرم ہے؟
کیا شعور کی لہجہ
تمہیں بغاوت لگتا ہے؟

تم نے صدیوں تک
مجھے صرف سننے پر مجبور کیا،
میری خاموشی کو تہذیب کہا،
میرے سوال کو گستاخی کا نام دیا۔

مگر اب میں چپ نہیں رہوں گی،
یہ زبان میری پہچان ہے—
میرا شعور، میرا حق،
میرے لہجے کی حرمت
کسی رسم، کسی جبر کی محتاج نہیں۔

میری زبان وہ آئینہ ہے
جس میں سماج اپنی صورت دیکھتا ہے،
اور گھبرا جاتا ہے۔

تو مت کاٹو میری زبان—
بلکہ سنو، سمجھو،
کہ میں جو کہتی ہوں
وہ صرف "لفظ" نہیں،
ایک زندہ عورت کا
حقِ اظہار ہے۔

نظم نمبر 55
میری تعلیم، میرا اختیار

مجھے کتاب دو—
قید نہیں، سوال دو
میں جاننا چاہتی ہوں
کہ لفظوں کے پر کاٹ کر
کیا تم واقعی اُڑان سے بچ پاؤ گے؟

میرے ہاتھ میں قلم ہے،
میرے دل میں خواب،
میرے ذہن میں بیداری کی آگ—
پھر کیوں چاہتے ہو
کہ میں صرف خامشی بن کر جیوں؟

تعلیم میری سانس ہے،
میرے وجود کا رنگ،
مجھے پڑھنے کا حق
میری پیدائش سے جُڑا ہے،
کسی رواج یا مہر سے نہیں۔

میری مکتب گاہ میں
میرے بھائی کے ساتھ جگہ ہو،
میری نصابی کتاب
کسی آنگن کی دہلیز پر نہ رکے۔

جو کہانی وہ پڑھتا ہے،
میں بھی پڑھوں—
جو سوال وہ اٹھاتا ہے،
میری زبان بھی آزاد ہو
اسے بولنے کے لیے۔

نہ پردہ علم پر،
نہ روک میرے ذہن پر—
میں بھی آگے بڑھوں گی،
میں بھی سوچوں گی،
میں بھی دنیا بدلوں گی۔

تو مت کہو—
"لڑکی ہو، جتنا سکھانا ہے سکھا دو"،
کہ اب میں خود طے کروں گی
کہ کیا سیکھنا ہے،
کیسے جینا ہے،
کیسے انسان بننا ہے۔

میری تعلیم، میرا اختیار ہے—
اور یہ حق میں لے کر رہوں گی!

نظم نمبر 56

میری بیٹی کا خواب

وہ نیند میں جب مسکرائی تھی
تو میں نے سوچا—
شاید چاند چھو لیا ہو اُس نے،
یا ستاروں سے بات کی ہو چپکے سے۔

میری بیٹی کا خواب
گڑیا سے آگے نکل چکا ہے،
اب وہ لیبارٹری میں
کائنات کو تولتی ہے،
اور لائبریری میں
خیالوں کی سلطنت بساتے ہوئے
اپنی پہچان لکھتی ہے۔

اب وہ گھونگھٹ نہیں سیکھتی،
سوال سیکھتی ہے—
وہ خاموشی نہیں بنتی،
سوزش بن کر
صدیوں کی دیوار ہلاتی ہے۔

میری بیٹی کا خواب
خود اس کی آنکھوں میں ہے—
نہ کسی راکھ میں،
نہ کسی نصیحت میں چھپا ہوا۔

وہ ڈاکٹر بن سکتی ہے،
پائلٹ، شاعر، سائنسداں—
یا ایک ماں،
مگر اپنی مرضی سے۔

مت کہو—
"لڑکی ہے، بس عزت سے رخصت ہو جائے"،
بلکہ سنو—
"وہ آئے گی، پڑھے گی، بنے گی
اور زمانے کے نقشے میں
اپنی جگہ خود تراشے گی۔"

میری بیٹی کا خواب
کسی دروازے کی محتاج نہیں—
اب وہ خود دروازہ ہے
جو نسلوں کو روشن کرے گا۔

نظم نمبر 57
میں وقت سے کہتی ہوں

میں وقت سے کہتی ہوں—
رک جا!
تھوڑا پلٹ کر دیکھ
کہ ایک بیٹی نے
صدیوں کا جبر کیسے سہا ہے؟

وہ جسے "پرایا" کہہ کر
رخصت کر دیا گیا،
اس نے محبت کی فصل اگائی
اور بدلے میں
حق کی زمین بھی نہ پائی!

میں وقت سے کہتی ہوں—
کب بدلے گا یہ انداز؟
کب بیٹی کا نام
وصیت کی تحریر میں ہوگا؟
کب بیٹی کی آہ
عدالت کی دیوار ہلائے گی؟

وہ بیٹی جو چراغ ہے
اپنے باپ کے آنگن کا،
کیوں محروم ہے
وراثت کے اجالے سے؟

میں وقت سے کہتی ہوں—
اب جاگ!
کہ اب بیٹیاں چُپ نہیں،
وہ سوال بن چکی ہیں،
وہ دلیل ہیں،
وہ خود اپنا انصاف ہیں۔

میری گود میں جو بیٹی پل رہی ہے—
اس کی آنکھوں میں
حصے کا خواب ہے،
نہ کسی کے رحم کی خواہش،
بس برابری کی ایک صدا ہے!

میں وقت سے کہتی ہوں—
اب مت دیر کر،
ورنہ بیٹیاں
تاریخ کو خود قلم سے لکھیں گی،
اور وہ تحریر ہوگی—
برابری، اختیار، وراثت کی!

نظم نمبر 58
کیا بیٹی ہونا کافی نہیں؟

کیا بیٹی ہونا کافی نہیں
میرے حصے کو ثابت کرنے کو؟
کیا مجھے ماپنا ضروری ہے

محض رشتوں کے ترازو میں؟

میں نے بھی تو
باپ کے کاندھے سے سر جوڑا تھا،
میں نے بھی ماں کے آنچل میں
اپنے سپنے پروئے تھے،
میں نے بھی بھائی کے ساتھ
گھر کے خواب چُنے تھے!

تو پھر جب وراثت کی بات آئی
تو کیوں میرے وجود پر سوال لکھا گیا؟
کیوں کاغذ کی سطروں سے
میرا نام ہلکے حرفوں میں گرا دیا گیا؟

کیا بیٹی ہونا جرم ہے؟
یا صرف رسم ہے—
کہ پال کے، پڑھا کے،
ایک دن وداع کر دو
اور کہو، "اب وہ ہماری نہیں رہی!"

نہیں!
میں بیٹی ہوں
تو ہوں مکمل انسان،
میرے بھی جذبات ہیں،
میرے بھی ارمان!

کیا بیٹی ہونا کافی نہیں
میرے حق کی سند کے لیے؟
کیا قانون کو
رشتے سے زیادہ ثبوت چاہیے؟

نہیں!
اب میں خاموشی سے نہیں جیوں گی،
میں آواز بنوں گی—
ہر بیٹی کی،
ہر ماں کی،
ہر اُس لڑکی کی
جسے صرف "پرایا" کہا گیا۔

کیا بیٹی ہونا کافی نہیں؟
اب یہ سوال نہیں،
اعلان ہے!

نظم نمبر 59
میں بھی چراغ ہوں

میں بھی چراغ ہوں
اندھیری راتوں کے لیے،
میں بھی روشنی ہوں
جلتی ہوئی سانسوں کے بیچ۔

مجھے بس اس لیے مدھم نہ سمجھو
کہ میں بیٹی ہوں،
نہ اس لیے نظرانداز کرو
کہ میں نے سوال کیے ہیں۔

میرے لفظوں میں
صدیوں کی تپش ہے،
میرے لہجے میں
پکار نہیں، آگ ہے۔

تم نے جو چراغ چُنا
وہ بیٹے کا تھا شاید—
مگر یہ چراغ جو میں ہوں

اس میں بھی تیل ہے،
اس میں بھی چنگاری ہے۔

میری چاہت،
میرا درد،
میرا شعور
کوئی خیرات نہیں،
یہ میرا حق ہے!

میں خامشی کا دریا نہیں،
میں چیختی ہوئی ایک صدی ہوں
جسے تم نے
رسموں کے پتھروں سے دبایا،
روایتوں کے تالوں میں بند کیا۔

اب میں وہی چراغ ہوں
جو آندھی میں بھی جلے گا،
جو تمھاری اندھی سوچ
کو جلا کر روشنی کر دے گا۔

میں بھی چراغ ہوں—
مجھے پہچانو،
میری روشنی کو
میرے نام سے جوڑو۔

نظم نمبر 60
بس میرا نام لکھ دو

بس میرا نام لکھ دو
اس ورق پر
جہاں تم نے سب کچھ گنوایا ہے
میراث، مکان، کھیت، دکان—
بس وہاں
میری بھی ایک سطر رکھ دو۔

میں نے بھی
اس گھر کی دیواریں چھوئی ہیں
ان دروازوں پر
کتنی بار خواب لٹکائے ہیں
صحن میں دھوپ چھانی ہے
اور ماں کے ساتھ
دعائیں گوندھی ہیں۔

تم کہتے ہو
قانون تو ہے

پر رسمیں کچھ اور ہیں
تمہاری رسمیں
میرے حق کو چھینتی ہیں
تمہارا سکوت
میرے وجود کو گہنا تا ہے۔

میں وارث ہوں
میرے قلم میں بھی وہی سیاہی ہے
جو تمھارے دستخطوں میں ہے
میرے جذبے بھی
اتنے ہی سچے ہیں
جتنے تمھارے خون کے دعوے۔

تو پھر کیسی دیر؟
کیسا انکار؟
بس میرا نام لکھ دو
اس کھاتے میں
جہاں میں برسوں سے
دعا بن کر کھڑی ہوں۔

بس میرا نام لکھ دو——
اتنا تو کرو
کہ میں بیٹی ہوں
اور بیٹی ہونا
ناانصافی کا جواز نہیں ہوتا۔

نظم نمبر 61
میری آواز کمزور نہیں ہے

تم نے سمجھا
کہ میں چپ ہوں، تو کمزور ہوں؟
کہ میری خامشی، میری ہار ہے؟
کہ میرے الفاظ، گر پڑے ہیں
کسی نام نہاد غیرت کی دیوار پر؟

نہیں—
میں چپ تھی، مگر سوچتی رہی
میں خاموش تھی، مگر جیتی رہی
میرے اندر
ایک طوفان پلتا رہا
میرے لہجے میں
صدیوں کا بغاوت نام لیتا رہا۔

اب میں بول رہی ہوں
اب میں صرف صدا نہیں، دلیل ہوں
میں احتجاج کا چہرہ ہوں

میں امید کی تحریر ہوں۔

میری آواز
اب دبائی نہیں جا سکتی
نہ کسی رسم کے نیچے
نہ کسی فتویٰ کی دھمکی میں۔

میں عورت ہوں—
اور میری آواز
کمزور نہیں،
تاریخ سے ٹکرا جانے والی
سچائی کی گونج ہے!

نظم نمبر 62
میں فیصلہ خود کروں گی

میرے خوابوں کے در پہ
تمہاری رائے کیوں دستک دے؟
میری راہوں کے نقشے پر
تمہارا قلم کیوں چلے؟

کیا میں کٹھ پتلی ہوں؟
کیا میرا شعور تم سے کم ہے؟
نہ میں کسی کا سایہ ہوں،
نہ کسی کی مرضی کا عکس۔

میں جو چاہوں پہنوں،
جہاں چاہوں جاؤں،
جو سوچوں، کہوں،
وہی میرا آئینہ ہے۔

مجھے نہ بتاؤ
کہ کیا اچھا ہے، کیا برا،

میں خود اپنے خیر و شر کی
پیمائش رکھتی ہوں۔

کب تک میرا فیصلہ
کسی اور کی میز پر ہوگا؟
اب وقت ہے
کہ میں خود فیصلہ کروں—
اپنی ذات کا،
اپنے جسم، اپنے خواب،
اور اپنی تقدیر کا۔

میں عورت ہوں، مکمل!
کسی فتویٰ، کسی اجازت
یا کسی ترحم کی محتاج نہیں۔

نظم نمبر 63
میں کمزور نہیں ہوں

تم نے شاید سمجھا
میری نرمی، میری کمزوری ہے
میری خاموشی
کسی ڈر کی دیوار ہے۔
تم نے آنکھوں کے نم کو
کمزوری کا نام دیا،
میرے ہونٹوں کی چپ کو
ہار سمجھا!

مگر سچ یہ ہے—
میں جب چپ ہوں،
تب سب کچھ سن رہی ہوتی ہوں،
جب نم ہوں
تب سب کچھ سہہ رہی ہوتی ہوں،
اور جب اٹھتی ہوں،
تو طوفان بن جاتی ہوں!

میں کمزور نہیں،

میں وہ چٹان ہوں
جوصدیوں سے قائم ہے
تہذیبوں کے نیچے،
زنجیروں کے باوجود۔

میرے وجود کومت ناپو
محض ہونٹوں کی جنبش سے،
میں عورت ہوں،
میں صبر بھی ہوں،
اورانقلاب بھی۔

تو یہ جان لو—
میں کمزور نہیں ہوں!
بس اپنے وقت کی منتظر ہوں۔

نظم نمبر 64
میں صرف جسم نہیں ہوں

نہ چھو کر پہچانو،
نہ گھور کر تولو،
نہ ناپو مجھے نظروں کی ترازو میں،
میں صرف جسم نہیں ہوں۔

میری سوچ کا آسمان ہے،
میرے خوابوں کا جہان ہے،
میرے لفظوں میں صدیاں بولتی ہیں،
میری چپ میں بغاوت جاگتی ہے۔

میں جو پہنوں،
وہ میری مرضی،
میں جو ہنسوں،
وہ میری خوشی،
نہ اس پر تمہاری رائے درکار،
نہ فتویٰ، نہ نصیحت کی مار۔

تم نے مجھ کو محض جسم سمجھا،
کبھی قربت کی خواہش،
کبھی غیرت کا نشانہ،
کبھی محبت کی شہزادی،
کبھی نفرت کی بیچاری۔

لیکن اب سنو!
میں خود کو پہچانتی ہوں،
میں آئینہ ہوں، روشنی ہوں،
میں اپنی مرضی کی راہ چنتی ہوں۔

میری ہاں، میری ہاں ہے،
میری نہ، میری دیوار ہے،
جو صرف جسم کو جانے
وہ مجھے نہیں جانتا!

میں صرف جسم نہیں ہوں،
میں عورت ہوں—
کامل، مکمل، مکمل!

نظم نمبر 65
میرے ہونے کو تسلیم کرو

میرے ہونے کو تسلیم کرو،
نہ صرف رشتے کے نام سے،
نہ صرف بندھن کی زنجیر سے،
بلکہ میری ذات، میری سوچ،
میرے خوابوں کے احترام سے۔

میں فقط کسی کی بیٹی نہیں،
نہ کسی کے نام کی بیوی،
نہ صرف گود کی ماممتا ہوں،
میں ایک مکمل انسان ہوں،
میری بھی ہے ایک پہچان ہوں۔

میرے لفظوں میں زندگی ہے،
میری ہنسی میں دعا ہے،
میری خامشی میں احتجاج ہے،
میری آنکھوں میں سچائی چھپی ہے۔

تم مجھ سے محبت چاہتے ہو،
مگر میری مرضی کے بغیر؟
تم عزت کی بات کرتے ہو،
مگر اختیار چھین کر؟

اب وقت آ گیا ہے
کہ تم سنو—
میری بات، میرے دل کی زبان،
میرے حق کا اعلان!

میں جو ہوں، جیسی ہوں،
اسی روپ میں مجھے مانو،
نہ بدلنے کی کوشش کرو،
نہ ڈھالنے کا دعویٰ کرو۔

میرے ہونے کو تسلیم کرو—
یہی پہلا انصاف ہوگا!

نظم نمبر 66
میری خاموشی مت تولنا

میری خاموشی مت تولنا
یہ کمزوری نہیں، شعور ہے
ہر لفظ جو میں نے نہ کہا
وہ میرے اندر کا ہنر ہے۔

میں چیخوں تو دنیا لرزتی ہے
میں چپ ہوں تو اندر طوفاں ہے
میں سہتی ہوں، سنتی ہوں
مگر بھولو مت — میں کمزور کہاں ہے؟

میری خامشی میں تاریخ ہے
جدوجہد کی، عورتوں کی صدیوں کی
جس نے برداشت کے کڑوے پانی میں
عزت کی شمع جلائی ہے۔

جب بولوں گی تو زمین کانپے گی
زبان سچ بولے گی
ہر نظم، ہر جملہ

میرے حق کی گواہی دے گا۔

میری خاموشی مت تولنا
یہ صرف سکوت نہیں—
یہ آنے والے انقلاب کی
دھیمی، گہری آہٹ ہے۔

نظم نمبر 67

میری مسکراہٹ کی قیمت کیا ہے؟

میری مسکراہٹ کی قیمت کیا ہے؟
کیا یہ صرف چہرے کی چمک ہے؟
یا تمھاری سوچ کی تنقید؟
کیا یہ ہنسی بھی اجازت کی محتاج ہے؟

میں جب ہنستی ہوں
تو کیا مطلب نکالتے ہو؟
کیا ہر خوشی کا حساب ہوتا ہے؟
کیا ہر جذبہ مشکوک ہوتا ہے؟

میرے لبوں پر پھول کھلیں
تو تم نظریں تیز کرتے ہو،
اور جب میں چپ رہوں
تو کہتے ہو، "روشن خیال نہیں"۔

یہ جو ہنسی ہے
یہ بغاوت کی پہلی کرن ہے،
یہ صدیوں کی خاموشی پر

ایک نرم، مگر گہرا وار ہے۔

میری مسکراہٹ...
میرے اندر کی روشنی ہے،
نہ تمھاری تشریح کی پابند
نہ تمھاری نظروں کی قید میں۔

تو جان لو—
میری مسکراہٹ کی قیمت
میری خودی ہے،
میری آزادی ہے،
میرے جینے کا اعلان ہے۔

نظم نمبر 68

کیا صرف مرد ہی معتبر ہے؟

کیا صرف مرد ہی معتبر ہے؟
کیا عورت فقط اک سایہ ہے؟
کیا وہ وجود جو جنم دیتا ہے
بس قربانیوں کا سایا ہے؟

جب میں بولتی ہوں
تو لہجے تولے جاتے ہیں،
جب میں خاموش رہوں
تو ارادے پرکھے جاتے ہیں۔

کیا میری عقل میں کمی ہے؟
یا میرے شعور کو حق نہیں؟
کیا ہر فیصلہ مرد کرے
اور عورت بس مانتی رہے؟

میں سوال کرتی ہوں—
کیوں ہر محفل میں

میری موجودگی کو
محض ضرورت سمجھا جاتا ہے؟

میں علم ہوں، فن ہوں، ہنر ہوں،
میں دل کی روشنی، دماغ کی روش ہوں،
تو کیوں میرے وجود پر
تسلیم کا پردہ ڈالا جاتا ہے؟

اب سوالوں کے تیزاب میں
میرے صبر کی دیوار پگھلے گی،
اب جواب میں،
میری سوچ کی روشنی چمکے گی۔

کیا صرف مرد ہی معتبر ہے؟
نہیں—
عورت بھی مکمل ہے،
معتبر ہے،
محترم ہے،
اور وہ خود یہ بات جان چکی ہے۔

نظم نمبر 69
میرے لفظوں کو مت روکو

میرے لفظوں کو مت روکو،
یہ صرف آواز نہیں،
یہ میری صدیوں کی خامشی کا شور ہیں،
میری رگوں میں دوڑتے خوابوں کے نعرے ہیں۔

میں جو لکھتی ہوں
وہ صرف شاعری نہیں،
وہ میرے زخموں کی سلگتی ہوئی ترجمانی ہے،
وہ ہر اس لمحے کی گواہی ہے
جو خاموشی میں گزر گیا۔

تم کہتے ہو—
عورت چپ اچھی لگتی ہے،
میں کہتی ہوں—
تو پھر چیخوں کی زمین کیوں اتنی ہموار ہے؟

میرے قلم میں سچائی کی سیاہی ہے،
میرے کاغذ پر تاریخ کا درد ابھرتا ہے،

اور ہر مصرع، ہر بند
ایک سوال چھوڑتا ہے:

کیا عورت کا لکھنا
بغاوت ہے؟
یا وہ پہلا قدم
جو غلامی سے آزادی کی طرف بڑھتا ہے؟

میرے لفظوں کو مت روکو،
یہ نہ روایات کے بندھن مانتے ہیں
نہ سماج کے احکام،
یہ صرف میرا نہیں—
ہر اس عورت کا حق ہیں
جس کی زبان سل دی گئی تھی۔

نظم نمبر 70

میں خاموش کیوں رہوں؟

میں خاموش کیوں رہوں؟
کیا صرف اس لیے
کہ صدیوں سے عورت کو
خامشی کا زیور پہنایا گیا؟

کیا صرف اس لیے
کہ میری آواز سے
کسی کی انا کو ٹھیس پہنچتی ہے؟
کیا اس لیے
کہ میرے سوالوں سے
روایتوں کی بنیادیں ہلتی ہیں؟

میں خاموش کیوں رہوں؟
کیا میں انسان نہیں؟
کیا میرے دکھ، میرے خواب،
میرے فیصلے صرف دوسروں کی مرضی کے محتاج ہیں؟

میں نے بچپن میں
گڑیا چھینتے دیکھا،
جوانی میں خواب چھن جاتے دیکھے،
اور اب عورت بن کر
ہر بار اپنا آپ ہارتے دیکھا۔

اب اور نہیں—
اب میں خاموش نہیں رہوں گی۔
میری آواز— میرا ہتھیار ہے،
میرا شعور— میری ڈھال ہے،
اور میرا وجود— میری پہلی جنگ ہے۔

سن لو!
میں بولوں گی—
ہر اس لمحے کے خلاف
جس نے مجھے چپ کرایا۔
میں لکھوں گی—
ہر اس لمحے کے لیے
جس نے مجھے جینے کا حق دیا۔

میں خاموش کیوں رہوں؟
جب سچ میرے اندر ہے،
جب حق میرے ساتھ ہے،
جب وقت خود میرے لہجے میں بولتا ہے—

تو میں کیوں خاموش رہوں؟

خدمتیں کیں،
دھوپ میں جلی،
پر سنا ہر بار
"تم تو پرائی ہو!"

میرے ہاتھ میں بھی
قلم آیا،
میں نے بھی
کتابوں میں
زندگی تلاش کی،
پھر بھی میرے حصے کی
زمین،
میرے نام کا کاغذ
خاموش رہا۔

میرا حق،
میرے بھائی سے چھوٹا کیوں؟
کیا میں ماں کی ممتا سے کم تھی؟
کیا باپ کے سائے کی حقدار نہ تھی؟

بیٹی ہونا جرم نہیں،
یہی تو پہلا رشتہ ہے
جو ہر مرد کو انسان بناتا ہے،
پھر میرا حق
بیٹی ہونے سے کم کیوں؟

میں وارث ہوں—
محض ایک سایہ نہیں،
میری پہچان ہے
میرے نام میں،
میرے حق میں،
میرے وجود میں۔

اب نہ روکو،
نہ ٹالو،
نہ بہلاؤ!
بس اتنا مان دو
جتنا قانون نے،
جتنا رب نے،
جتنا انسانیت نے دیا ہے۔

نظم نمبر 71
میری رضا کے بغیر کچھ نہیں

میری رضا کے بغیر
کیا تم مجھے چھو سکتے ہو؟
کیا تم میری ہنسی کا مفہوم بدل سکتے ہو؟
کیا میری آنکھوں کے خواب چرا سکتے ہو؟
نہیں — ہرگز نہیں!

میں جسم ہوں —
مگر محض جسم نہیں،
میں دل ہوں، دماغ ہوں،
میں اختیار کی مکمل تصویر ہوں۔

یہ جو تم نے سمجھ رکھا ہے
کہ عورت محض اجازت مانگتی ہے،
تو سن لو —
اب عورت سوال نہیں کرتی،
اب وہ فیصلہ کرتی ہے۔

میری رضا —

میرے وجود کا محور ہے،
تمھاری سوچ،
تمھاری مرضی،
میرے دائرے سے باہر ہے۔

میں محبت بھی دوں
تو اپنی شرطوں پر،
میں تعلق بھی نبھاؤں
تو برابری کے اصول پر۔

میری رضا کے بغیر
نہ میرا نام لو،
نہ رشتہ جوڑو،
نہ آزادی چھینو،
نہ عزت کے نام پر مجھے قید کرو۔

اب لفظ "رضا"
صرف مرد کی زبان میں نہیں،
اب یہ عورت کی سانسوں میں ہے،
جس نے کہنا سیکھ لیا ہے:
"میری رضا کے بغیر — کچھ نہیں!"

نظم نمبر 72
بیٹی ہونا جرم کیوں ہے؟

جب میں پیدا ہوئی
تو خامشی نے گھر گھیر لیا،
مبارکباد کی جگہ
ماں کی آنکھوں میں آنسو تیرنے لگے،
اور باپ کی پیشانی پر بل آ گئے۔

کیا بیٹی ہونا جرم ہے؟
کیا میری پیدائش کوئی حادثہ ہے؟
یا یہ معاشرہ ہی بیمار ہے
جو بیٹی کے ساتھ ماتم کرتا ہے؟

میں وہی ہاتھ ہوں
جو بڑھاپے کا سہارا بن سکتی ہوں،
میں وہی دل ہوں
جس میں وفا، دعا اور ہمدردی کا سمندر ہے،
تو پھر میرا جنم
کیوں بیوقعت ہے؟

مجھے گڑیا دی گئی—
مگر خواب چھین لیے گئے،
مجھے چپ رہنے کی تربیت دی گئی—
مگر بولنے کا حق نہ دیا گیا۔
مجھے سلیقہ سکھایا گیا—
مگر فیصلہ کرنے کا شعور نہ دیا گیا۔

اب سوال ہے میرا—
صاف اور سیدھا:
اگر بیٹا فخر ہے،
تو بیٹی شرم کیوں؟
اگر بیٹے کو وراثت ملتی ہے،
تو بیٹی کو انکار کیوں؟

میں بیٹی ہوں—
جنم دینے والی کی چھایا،
میں کوئی بوجھ نہیں—
میں روشنی ہوں،
جو نسلوں کو چراغ دیتی ہے۔

تو سنو!
اب بیٹی چپ نہیں رہے گی،
اب وہ اپنے ہونے پر
فخر کرے گی،

اور سب سے پوچھے گی—
"بیٹی ہونا جرم کیوں ہے؟"

نظم نمبر 73
مجھے وراثت بھی چاہیے

میں صرف دعاؤں کی حقدار نہیں،
مجھے حق بھی چاہیے،
محبتوں کے تحفے بہت ملے—
اب زمین کا کاغذ بھی چاہیے۔

بھائی کے ساتھ کھیلا تھا،
باپ کا دروازہ میرے لیے بھی کھلا تھا،
تو پھر تقسیم میں
میرا نام کیوں مٹایا گیا؟
صرف اس لیے کہ میں بیٹی ہوں؟
صرف اس لیے کہ میرے نام میں
کسی اور کا لقب جڑ جائے گا؟

میں صرف بیٹی نہیں—
وارث بھی ہوں،
باپ کے خوابوں کی،
ماں کی محنتوں کی،
گھر کی ہر اینٹ میں میرا حصہ ہے۔

تو پھر قانون کیوں چپ ہے؟
رسمیں کیوں راہ روکتی ہیں؟
اور تم کیوں کہتے ہو—
"یہ تو ہمارے ہاں نہیں ہوتا"؟

میری وراثت
صرف زر، زمین، زیور نہیں—
میری شناخت،
میری برابری،
میری قانونی حیثیت کا اعلان ہے۔

میں ترکے میں حصہ نہیں مانگ رہی—
میں اپنا حق مانگ رہی ہوں،
جو کتاب میں ہے،
عدالت میں ہے،
ضمیر میں بھی ہونا چاہیے۔

سن لو—
اب میں سوال بن چکی ہوں،
اور ہر وہ در جو میرے نام سے بند ہوا
میں کھٹکھٹاؤں گی،
کیوں کہ میں جانتی ہوں—
مجھے وراثت بھی چاہیے۔

نظم نمبر 74
میری رضا کے معنی مت بدلنا

میں "ہاں" کہوں
تو اسے ہاں ہی سمجھو،
میں "نہ" کہوں
تو اس میں کوئی جھجھک نہ ڈھونڈو۔

میری رضا—
کسی اشارے کی محتاج نہیں،
نہ نظریں جھکنے کا نام ہے،
نہ خامشی کا مطلب ہے۔

تم نے صدیوں سے
میری ہاں کو جھوٹا،
اور میری نہ کو مذاق بنایا—
مگر اب نہیں!

میں کہتی ہوں:
میری رضا ایک واضح اعلان ہے،
نہ لغزش ہے،

نہ ابہام،
نہ کوئی درپردہ مفہوم۔

محبت اگر ہے
تو احترام بھی سیکھو،
قربت اگر چاہتے ہو
تو رضا کا مفہوم بھی سمجھو۔

یہ جسم، یہ دل، یہ شعور—
سب میری مرضی سے وابستہ ہیں،
تمھاری توقعات سے نہیں۔

میں کہتی ہوں:
"رُکو"
تو رُک جاؤ،
"جاؤ"
تو چلے جاؤ،
ورنہ تم صرف حد توڑتے ہو—
انسانیت نہیں نبھاتے۔

اب عورت
خاموش نہیں،
وہ صاف صاف کہتی ہے—
"میری رضا کے معنی
تم طے نہیں کرو گے!"

نظم نمبر 75

کون ہوں میں؟

(ایک مکالماتی نظم)

(منظر)

ایک خاموش کمرہ—

درمیان میں عورت بیٹھی ہے۔

دل، دماغ، اور سماج— تین آوازیں گونجتی ہیں۔

دل:

کہہ دے نا!

جو محسوس کیا، وہ سچ ہے—

وہ آنسو، وہ لرزتا لمحہ—

کیا اسے بھی چھپا لے گی؟

دماغ:

رُک جا!

سوچ پہلے، بول بعد میں—
یہ دنیا سوالوں سے نہیں،
ثبوتوں سے مانتی ہے۔

سماج (ہنسی کے ساتھ):
افف... تم عورت ہو!
تمھیں سہنا آتا ہے،
سوال کرنا نہیں!

(عورت اٹھتی ہے، آہستہ آہستہ)

عورت:
تو میں کیا ہوں؟
ایک احساس جو دبا دیا جائے؟
یا ایک سوچ جو کچل دی جائے؟
کیا صرف لباس، زبان، ادا؟
یا کوئی جیتا جاگتا فرد بھی ہوں؟

دل (سرگوشی میں):
تو درد ہے—
مگر زخم کا حل بھی تو تُو ہی ہے۔

دماغ (واضح لہجے میں):
تو سوال ہے—
مگر جواب بھی تُو ہی ہے۔

سماج (چونک کر):
تو کیا تُو...؟
بغاوت کرنا چاہتی ہے؟

عورت (اونچی آواز میں):
نہیں!
میں صرف خود ہونا چاہتی ہوں!
نہ تمھارے سانچوں میں،
نہ تمھارے لیبلز میں،
نہ تمھاری "اچھی عورت" والی تعریف میں۔

میں وہ ہوں
جو اپنی مرضی سے سوچتی ہے،
فیصلہ کرتی ہے،
اور جیتی ہے—
کبھی نرم سی شام کی مانند،
کبھی طوفانی ہوا کی طرح!

(پردہ گرتا ہے— مگر آواز باقی ہے)

عورت (پسِ پردہ):
میں پوچھتی ہوں—
" کون ہوں میں؟"
اب جواب تمھیں دینا ہے۔

نظم نمبر 76
میں چراغ ہوں

میں چراغ ہوں—
نہ صرف جلنے کے لیے،
بلکہ روشنی بانٹنے کے لیے پیدا کی گئی ہوں۔

مگر صدیوں سے
مجھے صرف جلایا گیا،
دھند میں رکھا گیا،
ہَوا کے رحم و کرم پر چھوڑا گیا۔

کہا گیا—
چراغ ہونا فخر ہے،
مگر کب پوچھا گیا
کہ کتنی بار بجھایا گیا؟
کتنی بار ہوا کو مجھ پر فوقیت دی گئی؟

میں ہر رات جلتی رہی،
اور صبح تم نے
میرے دھیما ہونے پر شکایت کی۔

تم نے میری لو سے
اپنے خواب روشن کیے،
مگر میری تپش کو کبھی نہ سمجھا،
میری تیل ہوتی ہستی کو
کبھی نہ سراہا۔

اب میں کہتی ہوں —
میں صرف جلوں گی نہیں،
چمکوں گی بھی،
اپنے حصے کی روشنی کو
خود چنوں گی۔

میں چراغ ہوں —
میرے جلنے کا مطلب
صرف خدمت نہیں،
میرے وجود کی خودمختاری بھی ہے۔

اگر مجھے بجھانے کی کوشش کی گئی —
تو میں شعلہ بنوں گی،
اگر مجھے ڈھانپنے کی کوشش کی گئی —
تو اندھیرے کو چیر دوں گی۔

میں چراغ ہوں—
جلتی رہوں،
مگر اب اپنی مرضی سے۔

نظم نمبر 77
میں پنجرہ نہیں، پرواز ہوں

تم نے مجھے ہمیشہ
ایک پنجرے میں دیکھا—
چاہے وہ سنہری ہو،
یا زنگ آلود،
قید، قید ہی ہوتی ہے۔

میری آواز کو راگ بنایا،
میرے پروں کو خوبصورتی،
مگر کبھی اُڑنے کی اجازت نہ دی۔

تمھیں میری پرچھائیں تو پسند تھی،
مگر میرا آسمان چھونا
تمھیں ناگوار گزرتا تھا۔

میں چہچہاتی رہی،
مگر میرے گیتوں میں

اداسی کی پر چھائیں تم نے کبھی نہ سنی۔

اب سنو!

میں پنجرہ نہیں ہوں،
جو تمھاری مرضی سے سجے گا،
میں پرواز ہوں—
اپنی مرضی کی سمت،
اپنی فضا میں اڑنے والی۔

اب اگر تم پنجرہ لاؤ گے،
تو میں خاموش نہیں رہوں گی،
میں دروازہ نہیں دیکھوں گی—
آسمان کو پھاڑ کر
اپنا نیا راستہ بناؤں گی۔

میرے پر—
میرے اپنے ہیں،
نہ تمھارے دیے ہوئے،
نہ تمھارے قابو میں۔

تو یاد رکھو—
میں پنجرہ نہیں،
پرواز ہوں—
اور پرواز کو کبھی
قید نہیں کیا جاسکتا!

نظم نمبر 78

آئینہ جھوٹ نہیں بولتا

ہر صبح
جب میں آئینے کے سامنے کھڑی ہوتی ہوں،
تو وہ مجھ سے نظریں نہیں چراتا—
نہ جھوٹ بولتا ہے،
نہ منافقت کرتا ہے۔

وہ مجھ سے کہتا ہے:
تم خوبصورت ہو—
مگر تمہاری خوبصورتی
کسی تعریف کی محتاج نہیں۔
تم مضبوط ہو—
مگر تمھاری طاقت کو
کسی اجازت کی ضرورت نہیں۔

جب سماج نے کہا
"چہرہ چھپاؤ، خاموش رہو"
آئینے نے کہا—
'
خود کو دیکھو، خود کو پہچانو"۔

جب لوگوں نے
میرے وجود کو ٹکڑوں میں بانٹنا چاہا—
بال، آنکھیں، چال، آواز...
آئینے نے سب جوڑ کر
مجھے اک مکمل انسان دکھایا۔

میں آئینے سے شرمندہ نہیں،
کیوں کہ وہ میرا سچ ہے،
میری جنگوں کا گواہ،
میرے زخموں کا رفیق۔

وہ کہتا ہے:
جو تم دیکھتی ہو—
وہی ہو تم!
نہ کم، نہ زیادہ۔
نہ کسی کی نظر کا پیمانہ،
نہ کسی روایت کا عکس۔

آج بھی میں جب اس کے سامنے کھڑی ہوتی ہوں،
وہ مجھ سے کہتا ہے—
"بس بہت ہوا"
اب تم خود کو
کسی اور کی نگاہ میں مت تولنا۔

نظم نمبر 79

دروازہ میں بھی ہوں

تم نے ہمیشہ
مجھے دروازے کے باہر رکھا،
کبھی پردے میں،
کبھی سوالوں کے سائے میں،
کبھی "عزت" کی زنجیروں میں۔

تم نے کہا—
دروازہ مت کھولو،
دنیا خراب ہے۔
تم نے کہا—
دروازہ بند رکھو،
نظریں گناہگار ہیں۔

مگر میں نے پوچھا—
کیا ہوا صرف باہر چلتی ہے؟
کیا زندگی صرف دروازے کے اُس پار ہے؟
کیا میں خود ایک دروازہ نہیں—

جس کے اندر خواب پلتے ہیں،
فکر اُگتی ہے،
آواز گونجتی ہے؟

دروازہ صرف لکڑی نہیں،
یہ میرے وجود کا استعارہ ہے—
جو کھل سکتا ہے،
بند ہوسکتا ہے،
مگر مرضی میری ہوگی۔

اب اگر کوئی دستک دے—
تو میں فیصلہ کروں گی،
کہ دروازہ کھلے گا یا نہیں،
کیا اندر کوئی داخل ہوگا یا نہیں۔

اور اگر کوئی زبردستی کرے،
تو یاد رکھو—
دروازے کے پیچھے
اک آگ بھی سلگتی ہے،
جو راکھ کر سکتی ہے۔

یں دروازہ بھی ہوں—
محفوظ، معتبر، مکمل۔

اور اب
یہ دروازہ صرف باہر کو نہیں،
اندر کو بھی کھلتا ہے۔

نظم نمبر 80

میں دھوپ ہوں

میں دھوپ ہوں—
مدھم بھی، تیز بھی،
گرم بھی، مگر جلانے والی نہیں۔

میرے لمس سے
زمین جاگتی ہے،
بیج پھوٹتے ہیں،
رنگ چمکتے ہیں۔

تم نے مجھے چھاؤں میں ڈھونڈا،
اور کہا—
"عورت کو نرم ہونا چاہیے"،
مگر کبھی میرے اندر کی تپش نہ دیکھی،
نہ میرے اُگاتے لمس کو سمجھا۔

میں وہ دھوپ ہوں
جس نے صدیوں کے اندھیروں میں
سچ کے راستے تراشے،

خوف کے سائے سکھائے،
کہ روشنی کس قیمت پر آتی ہے۔

میں چھاؤں نہیں مانگتی،
مجھے آسمان چاہیے،
جہاں میں وقت کے سورج سے ملوں،
اور اپنے حصے کی روشنی
خود پیدا کروں۔

جب تم نے پردوں سے ڈھانپنا چاہا،
جب تم نے کہا "دھوپ میں نہ نکلو"،
تب میں نے جانا—
کہ شاید تمہیں روشنی سے
ڈر لگتا ہے!

میں عورت ہوں—
میں دھوپ ہوں—
جلوں گی نہیں،
جِلا دوں گی!

نظم نمبر 81

میں کتاب ہوں— مگر بند نہیں

میں کتاب ہوں—
مگر وہ نہیں
جو تم نے طاق میں سجا دی،
گرد سے ڈھک دی،
صرف حسبِ ضرورت کھولی۔

میں وہ کتاب ہوں
جو سانس لیتی ہے،
جس کی ہر سطر میں
صدیوں کی چیخیں بند تھیں،
اب وہ لفظ جاگے ہیں۔

تم نے میرے صفحے پھاڑے،
اقتباس چرائے،
مضامین بدلے—
اور کہا:
"یہ عورت ہے— مکمل نہیں!"

مگر اب میں خود
اپنے باب لکھ رہی ہوں،
پہلا باب: خودی
دوسرا: اختیار
تیسرا: سوال
اور آخری — ابھی مکمل نہیں!

اب تم میری جلد نہیں بدل سکتے،
نہ فہرست طے کر سکتے ہو،
نہ میری خاموش سطریں
اپنی مرضی سے پڑھ سکتے ہو۔

میں کھلی کتاب ہوں —
لیکن اب
صرف وہی پڑھ سکتا ہے
جس کی آنکھ میں احترام،
اور دل میں برابری ہو۔

تو سن لو —
میں کتاب ہوں —
مگر بند نہیں، خاموش نہیں،
اور اب ہر صفحہ
تم پر مقدمہ ہے!

نظم نمبر 82

میں خواب ہوں— مگر تمھارا نہیں

میں خواب ہوں—
مگر تمھاری نیند کا حصہ نہیں،
نہ تمھاری مرضی کی تصویر،
نہ تمھاری خواہش کی کینوس پر بنی ہوئی کوئی خاموش خواہش۔

میں وہ خواب ہوں
جو پلکوں کے بند دریچوں سے نہیں،
کھلی آنکھوں سے اُگتا ہوں—
ایک سوال بن کر،
ایک ضد بن کر۔

تم نے صدیوں مجھے
محبت کے، ممتا کے، ایثار کے خواب میں چھپا دیا،
مجھے بتایا گیا—
میرا خواب بس رشتہ ہو،
قربانی ہو، خامشی ہو۔

مگر اب نہیں۔
اب میں اپنی تعبیر خود ہوں—
میں ڈاکٹر، شاعر، مزدور، سائنسدان،
ماں، معشوق، قاضی، سیاستدان...
جس روپ میں چاہوں، جاگ سکتا ہوں۔

میں خواب ہوں—
مگر قید نہیں،
نہ چوکھٹ کا، نہ چاردیواری کا،
نہ تمھاری "عزت" کے ناپ تول کا۔

اگر تمھیں لگتا ہے
کہ عورت کے خواب صرف تمھارے ہونے سے مکمل ہوتے ہیں—
تو جاگ جاؤ،
کیوں کہ خواب بدل چکا ہے،
اور اب وہ صرف "محبت" نہیں مانگتا—
وہ شناخت، برابری اور اختیار بھی مانگتا ہے۔

میں خواب ہوں—
مگر اب صرف تمھاری آنکھ میں نہیں،
میری آنکھ میں بھی ہوں—
اور جاگتی ہوں!

نظم نمبر 83

میں زمین ہوں — اور اپنی ہوں

میں زمین ہوں —
نرم بھی، سخت بھی،
خاموش بھی، مگر مکمل۔

میرے سینے میں بیج بھی پلتا ہے،
زخم بھی اُگتا ہے،
اور ہریالی بھی وہیں سے جنم لیتی ہے
جہاں کبھی تم نے راکھ برسائی تھی۔

تم نے مجھے کبھی نام دیا —
کھیت، جائیداد، ملکیت...
اور پھر مجھے بانٹا، ناپا،
قبضے کی زبان میں تولا۔

مگر میں صرف زمین نہیں —
میں وجود ہوں،
میں عورت ہوں —
اپنے جسم، اپنے حق، اپنے شعور کی مٹی۔

میں وہ زمین ہوں
جوسوال اگاتی ہے،
جو ہر قدم پر گواہی دیتی ہے
کہ وہ کس نے روندی،
کس نے سینچی،
کس نے چھینی،
اور کس نے پہچانی۔

اب میں کسی کے نقشِ قدم کا انتظار نہیں کرتی،
نہ بارش کی شرط،
نہ ہل کی ضرب—
اب میں خود اپنا موسم چنتی ہوں۔

تم اگر مجھے اپنی کہو—
تو سن لو:
میں کسی کی نہیں،
میں اپنی ہوں— مکمل، زرخیز، باشعور زمین!

نظم نمبر 84

میں دیوار نہیں—— آواز ہوں

تم نے مجھے دیوار بنایا——
خاموش، ساکت، سجی ہوئی
جس پر تصویر بھی تم نے ٹانکی،
در بھی تم نے کھولا،
کھڑکی بھی تمھاری مرضی سے بنی۔

تم نے سمجھا
کہ میں صرف روک ہوں——
راستے کی دیوار،
حکم کی دیوار،
خاموشی کی دیوار۔

مگر سن لو——
میں دیوار ہوں
تو سنبھالو،
کیوں کہ اب
میں بولتی ہوں!

میں تمھارے رازوں کی دیوار نہیں،
نہ پردے کا کونا،
نہ چار دیواری کی گواہ—
میں وہ آواز ہوں
جو اینٹوں سے گزر کر
باہر کی دنیا میں گونجتی ہے۔

کبھی تم نے مجھے گری ہوئی کہا،
کبھی بے بنیاد،
مگر اب میں وہ بنیاد ہوں
جس پر انصاف کی عمارت اٹھنی ہے۔

میری دراڑوں سے سچائی جھانکتی ہے،
میری سطح پر
صدیوں کی تحریر کندہ ہے—
دھندلی، مگر مٹائی نہیں جا سکتی۔

تم چاہو تو مجھے پینٹ کر لو،
رنگ و روغن سے ڈھانپ لو—
مگر میری اندر کی چیخ
کسی کو بھی سنائی دے سکتی ہے۔
میں دیوار تھی—
مگر اب در بن گئی ہوں، جس کے اس پار عورت کی
ایک مکمل دنیا کھڑی ہے۔

نظم نمبر 85
لباس میری مرضی کا ہوگا

لباس—
تمھارے لیے پردہ،
میرے لیے پہچان۔
تمھارے لیے روک،
میرے لیے بیان۔

تم نے مجھے صدیوں تک
لباس سے ناپا،
لمبائی، چوڑائی، رنگ، چمک،
اور پھر فتویٰ صادر کیا—
"یہ عزت ہے، یہ بےحیائی"۔

مگر میں پوچھتی ہوں—
کیا عزت کپڑے میں بند ہے؟
کیا کردار کا تعین
کپڑے کے کپڑے سے ہوتا ہے؟

لباس—
کبھی میرے وجود پر بوجھ بنا،
کبھی میری آزادی کی قید،
کبھی تمھاری نظریں اس پر فیصلے کرتی رہیں،
اور میں چپ چاپ سہتی رہی۔

اب نہیں!
اب یہ جسم بھی میرا ہے،
لباس بھی میری مرضی کا ہوگا۔

میں جو چاہوں پہنوں گی—
سیاہ یا سرخ،
چادر یا جینز،
دوپٹہ یا بے دوپٹہ۔

میری پسند—
تمھاری غیرت کا امتحان نہیں،
میرے لباس کا فیصلہ
میری ذات کرے گی،
نہ کوئی مولوی، نہ کوئی منصف،
نہ تم!

اب میں جو پہنوں گی—
وہ میری آواز ہوگا،

میری آزادی کی تصویر،
میرے حق کی گواہی۔

سن لو—
لباس اگر پہنا ہے،
تو بےآواز نہیں رہوں گی—
لباس میری مرضی کا ہوگا—
اور بات بھی میری مرضی کی ہوگی!

نظم نمبر 86

میں صرف موضوع نہیں، مصنفہ بھی ہوں

جب تم نے لکھا—
"وہ نرم تھی، نازک، خاموش، سہمی ہوئی"،
تو میں نے پڑھا—
اور سوچا:
کیا تمھیں میرے لفظوں کی آواز نہیں سنائی دی؟

تم نے عورت کو
افسانے کا کردار بنایا،
نظم کی مجسمہ،
محبت کا کنول،
مگر قلم... قلم ہمیشہ تمھارے ہاتھ میں رہا۔

میں نے بھی لکھا—
مگر تم نے کہا:
"عورت کی تحریر جذباتی ہوتی ہے،
ادب کا درجہ نہیں رکھتی!"

تو سنو—

میں جذبات ہوں،

مگر علم بھی ہوں،
میں بدن کی بات کرتی ہوں،
مگر ذہن کی گرفت میں!

میں نے خود کو لکھا ہے—
ایک سطر میں نہیں،
ایک نسل میں!
میں نے چیخوں کو سانچے دیے،
خاموشی کو زبان دی،
اور ہاں—
محبت کو بھی نئی لغت عطا کی۔

اب میں صرف موضوع نہیں—
نہ تمھاری نظم کا مضمون،
نہ تمھاری نظر کی تمثیل—
میں مصنفہ ہوں،
اپنی کہانی کی خالق۔

اور یہ جو کتاب ہے—
جو تم نے "عورتوں کا ادب" کہہ کر الگ رکھی تھی—
وہی اب

تمھاری تاریخ کا دیباچہ بنے گی۔

نظم نمبر 87
میں معلّمہ ہوں — مگر صرف جماعت کی نہیں

میں نے اے بی سی، الف بے،
پہاڑے، تاریخ، اور جغرافیہ پڑھایا—
کبھی تختۂ سیاہ پر،
کبھی چہرے پر مسکراہٹ لیے۔

تم نے مجھے "ٹیچر جی" کہا—
محترم، مسکرا دینے والی،
چاک سے اڑتی گرد میں
محنت کا عکس دکھاتی ہوئی۔

مگر کیا تم نے کبھی سوچا—
کہ میں صرف بچوں کی جماعت نہیں سنبھالتی،
میں ایک نسل کی سوچ،
ایک سماج کی بنیاد
تشکیل دیتی ہوں؟

میں سوال سکھاتی ہوں—
صرف نصاب کے نہیں،

زندگی کے، رشتوں کے،
اور اپنے وجود کے سوال۔

میں وہ معلّمہ ہوں
جو بیٹی کو جبر کی نہیں،
خودداری کی ہجے سکھاتی ہے،
جو بیٹے کو بتاتی ہے
کہ عورت کمزور نہیں—
برابر ہے، مکمل ہے، شعور ہے۔

میری آواز تختہ جماعت سے نکل کر
سماج کی دیواروں تک جاتی ہے،
جہاں اب بھی
عورت کا علم،
محض سلیقے کی سند سمجھا جاتا ہے۔

تو سنو—
میں معلّمہ ہوں—
مگر صرف اسکول کی نہیں،
میں آئندہ صدی کے کردار سکھاتی ہوں۔
میرے ہاتھ میں قلم ہے،
میرے دل میں آگ—
اور میری ہر کلاس
اک بغاوت کی بنیاد ہے۔

نظم نمبر 88
میری ہنسی — میری وارثت ہے

تم نے کہا:
"عورت کی ہنسی دھیمی ہو،
شریف ہو،
پُرسکون ہو"
جیسے ہنسی بھی کوئی فتویٰ مانگتی ہو۔

کبھی تم نے کہا:
"بہت ہنستی ہو —
حد میں رہو"
اور کبھی تم نے خاموشی پر شک کیا —
"سب ٹھیک تو ہے؟"

تمھیں عورت کی ہنسی
یا تو دلکشی لگی،
یا بے باکی —
مگر کبھی تم نے یہ نہ جانا
کہ وہ ہنسی —
اک پوری صدی کی تھکن کے بعد آتی ہے۔

وہ ہنسی
کوئی شوپیس نہیں،
نہ ادا، نہ چالاکی،
وہ ایک اعلان ہے—
کہ میں ابھی زندہ ہوں،
ابھی ہاری نہیں،
ابھی ہنس سکتی ہوں!

میری ہنسی میں وہ مائیں چھپی ہیں
جنھوں نے چپ چاپ قربانیاں دیں،
وہ بہنیں جو سسرال میں
"سب ٹھیک ہے" کہتے کہتے گھٹتی رہیں۔

میری ہنسی میں وہ لڑکیاں چھپی ہیں
جو کلاس میں پہلا سوال پوچھتی تھیں
اور طعنوں میں لپیٹ دی جاتی تھیں۔

میں جب ہنستی ہوں—
تو صرف خوشی کا اظہار نہیں کرتی،
میں تاریخ کو چیلنج دیتی ہوں،
سماج کی تہہ میں سوراخ کرتی ہوں،
اور ہر قہقہے کے ساتھ کہتی ہوں—
بس بہت ہوا!

تو اب سنو—
میری ہنسی میری مرضی ہے،
میری وارثت ہے،
میری بغاوت ہے،
میری شاعری ہے۔

نظم نمبر 89
میں وقت کی مسافر ہوں

میں وقت کی مسافر ہوں—
نہ تھکی ہوں،
نہ رکی ہوں،
بس کچھ لمحے رک کر
اپنے پیروں سے لگی مٹی جھاڑ رہی ہوں۔

میں ہر صدی سے گزری ہوں،
جہاں میرا نام صرف "وہ" تھا—
کبھی بیٹی،
کبھی بیوی،
کبھی بیگم،
مگر "میں" نہ تھی۔

مجھے پُجاری نے پوجا،
سپاہی نے قید کیا،
قاضی نے فتویٰ دیا،
شاعر نے غزل بنایا—

مگر میں انسان کہلانے کو ترسی۔

وقت کی پگڈنڈی پر
میرے قدموں کے نشان
اب بھی گواہ ہیں—
کہ میں چپ رہی،
چلی، جھیلی،
مگر مٹی نہ ہوئی۔

اب میں چل رہی ہوں
مگر کسی کی انگلی تھامے نہیں—
اپنی سمت،
اپنا رستہ،
اپنی رفتار طے کر کے۔

اب جو مجھے روکنے آئے گا—
وہ صرف میرا ماضی دیکھے گا،
مگر میرا مستقبل...
میں خود لکھوں گی!

میں وقت کی مسافر ہوں—
اور وقت سے کہہ چکی ہوں:
اب میری منزل کوئی اور طے نہیں کرے گا۔

نظم نمبر 90
میں چراغ ہوں — جلتی بھی، جلاتی بھی

میں وہ چراغ ہوں
جسے تم نے کونے میں رکھ کر
دھندلے شیشے سے ڈھانپ دیا—
کہ بس تھوڑی روشنی کافی ہے،
زیادہ ہو تو آنکھیں چبھتی ہیں۔

میں وہ چراغ ہوں
جس کی لو کو تم نے
کبھی حیا کہا،
کبھی صبر،
کبھی تہذیب۔

مگر اب میں صرف جلتی نہیں—
اب میں جلاتی بھی ہوں۔

ہر وہ دھند، ہر وہ سایہ
جو میرے وجود سے الجھتا ہے،
میری روشنی میں پگھل جاتا ہے۔

میں اب دیے کی لکیر نہیں،
مشعل ہوں—
راستہ دکھانے والی،
فیصلے سنانے والی۔

میری آگ میں احتجاج ہے،
میرے تیل میں صدیوں کی خاموشی،
اور میری باتی
وہ نظم ہے
جو ہر عورت کے ہونٹوں پر رک رک کے اٹکتی تھی—
اب بہتی ہے، جلتی ہے، چمکتی ہے۔

میں چراغ ہوں—
دیوار پر سجی کوئی چیز نہیں،
اب میں عورت کی صدا ہوں،
خودی کی گواہی ہوں،
اندھیرے کا انجام ہوں!

نظم نمبر 91
میں بیج ہوں — مگر ساکت نہیں

میں بیج ہوں—
چھوٹا، خاموش،
مگر اندر سے
پہاڑ توڑنے کی ہمت لیے ہوئے۔

تم نے مجھے زمین میں چھپایا
سوچ کر:
"یہ اب مٹی میں دفن ہوگئی"
مگر تم نہیں جانتے
بیج دفن نہیں ہوتا—
وہ اگتا ہے۔

میرے اندر روشنی کا راستہ ہے،
میری آنکھ اندھیرے میں دیکھتی ہے،
اور میری جڑوں میں
صدیوں کی عورتوں کا پانی ہے—

جو آنسو بھی ہے، امید بھی۔

میں بیج ہوں—
توڑوں گی زمین کی سختی،
نکالوں گی پہلی کونپل
اور اس میں صرف ہریالی نہیں ہوگی—
ایک اعلان ہوگا:
کہ میں زندہ ہوں، مکمل ہوں،
اور زمین میری دشمن نہیں، ساتھی ہے۔

کل جب شاخیں بنیں گی،
پھول کھلیں گے،
تو دنیا کہے گی—
''یہ درخت کہاں سے آیا؟''
اور میں کہوں گی—
مجھ میں ایک عورت تھی— جو بیج سے درخت بن گئی!

نظم نمبر 92

میں پرندہ ہوں — پنجرہ اب خواب نہیں

میں پرندہ ہوں—
نہ وہ جو صرف شوکیس کی زینت ہو،
نہ وہ جو تمھاری انگلی پر آ کر بیٹھے
اور تم اسے "پالنا" کہو۔

میں پرندہ ہوں—
مگر میرے پروں میں صرف ہوا نہیں،
راستوں کی پہچان ہے،
آسمانوں کا شعور ہے،
اور گاتی ہوئی
اک صدیوں پرانی نظم بھی ہے۔

مجھے تم نے قید کرنا چاہا—
زرین پنجرے میں،
رنگین باتوں میں،
اور تمھارے محبت جیسے دعووں میں۔

مگر تم بھول گئے—
پنجرہ سونے کا ہو یا فولاد کا،
اُڑان چھین نہیں سکتا۔

میں نے پنجرے کے اندر بھی
پر پھیلانے کی مشق کی،
اور ایک دن
خود سے کہا:
"بس بہت ہوا—اب آسمان میرا ہے!"

اب میں اڑتی ہوں—
نہ تمھارے بلانے پر،
نہ روکنے پر،
میں اپنی مرضی سے
اپنی سمت میں
اپنی رفتار سے۔

میری آواز اب چہچہاہٹ نہیں،
پیغام ہے—
ہر اُس پرندے کے لیے
جسے اڑنے سے ڈرایا گیا۔

میں پرندہ ہوں—
اور اب
میرے پروں میں انقلاب لکھا ہے۔

نظم نمبر 93

میں صبح ہوں — رات کا انکار بھی، اجالا بھی

میں صبح ہوں—
نہ صرف سورج کے نکلنے کا نام،
نہ صرف گھڑی کی مخصوص ساعت،
بلکہ ایک سوچ، ایک صدا، ایک آغاز!

صدیوں کی راتوں نے مجھے ڈھانپا،
خامشی نے میرے ہونٹ سیے،
اور ظلمت نے مجھے یوں لپیٹا
جیسے میں کبھی تھی ہی نہیں۔

مگر صبح صرف آتی نہیں—
وہ خود کو تراشتی ہے
اندھیرے کے دل میں
ایک درز بناتی ہے
جہاں سے روشنی سانس لیتی ہے۔

میں وہی روشنی ہوں—

جوتمھاری بند آنکھوں میں
پہلا سوال رکھتی ہے:
" کیا عورت اب بھی چپ رہے گی؟"

میں صبح ہوں—
تو میرے ساتھ صرف اجالا نہیں آتا،
میرے ساتھ حساب آتا ہے—
ہر اس لمحے کا
جو عورت نے قربانی کے نام پر گنوایا۔

اب جب میں آتی ہوں—
تو اذان کی صدا بھی بدلتی ہے،
دروازے کھلتے ہیں،
لبوں پر لفظ آتے ہیں،
اور آنکھوں میں خواب،
جواب اجازت کے محتاج نہیں۔

میں صبح ہوں—
اک نیا دن،
اک نئی نظم،
اک نئی عورت—
جو صرف جاگ نہیں رہی،
بلکہ جگا رہی ہے۔

نظم نمبر 94

میری دھڑکن سنو — میں زندہ ہوں!

تم نے میری آواز چھینی،
میرا قلم روکا،
میری راہیں بند کیں،
مگر ایک شے تھی
جو تم چھو نہ سکے —
میری دھڑکن۔

یہ دھڑکن —
نہ نعرہ ہے، نہ چیخ،
بس ایک مسلسل، بے آواز اعلان ہے

کہ میں اب بھی زندہ ہوں،
جیتی ہوں، جانتی ہوں۔

جب میری سوچ پر پہرہ بٹھایا گیا،
تو یہی دھڑکن سوال بنی۔
جب میرے جسم کو جاگیر کہا گیا،

تو یہی دھڑکن انکار بنی۔
جب میری مرضی کو مذاق کہا گیا،
تو یہی دھڑکن چیخ بنی۔

میری دھڑکن—
میرے اندر کی تحریک ہے،
میری شناخت کا ترانہ ہے،
میری صداقت کا حوالہ ہے۔

تم چاہو تو
میری زبان پر قفل ڈال دو،
میری تحریر پر کالک پھیر دو،
میری تصویریں مٹا دو—
مگر میری دھڑکن...
تم سے سوال کرتی رہے گی۔

میں خاموش بھی رہوں
تب بھی میرے اندر
ایک نظم رواں رہتی ہے—
ایک مسلسل "بس بہت ہوا"
ہر دھڑکن کے ساتھ گونجتی ہے۔

تو سنو—

میرے زندہ ہونے کا ثبوت

میرا شور نہیں،

میری دھڑکن ہے—

اور یہ کبھی بند نہیں ہوگی۔

نظم نمبر 95

عنوان: میرا آسمان — میرا حق

میں نے سنا ہے—
آسمان سب کا ہوتا ہے،
مگر جب میں نے ہاتھ بڑھایا
تو تم نے کہا:
"یہ تمہارے حصے کا نہیں!"

میری آنکھوں نے بادلوں کی چادر اوڑھنے کا خواب دیکھا،
تو تم نے میرے خواب پر تالے جڑ دیے۔
میری ہتھیلی نے ہوا کو چھونا چاہا،
تو تم نے کہا:
"یہ ہوا تمہارے سانس کے لائق نہیں!"

مگر میں جانتی ہوں—
میرے پر کترنے سے
میرا اُڑنا ختم نہیں ہوتا،
یہ صرف راستہ بدل دیتا ہے۔

میں اپنے آسمان تک پہنچنے کے لیے
زمین کی ضد سے لڑوں گی،

دیواروں کو زینہ بنا لوں گی،
اور تمہارے "نہیں" کو
اپنا پہلا "ہاں" بنا دوں گی۔

میرا آسمان—
میرا حق ہے،
اس پر میرا نام لکھا ہے،
اور ایک دن
میں اس پر اپنے پرچم کے رنگ بکھیر دوں گی۔

نظم نمبر 96
میرے نقشِ پا مت مٹاؤ

میرے نقشِ پا مت مٹاؤ—
یہ ریت پر کچھ بیربط لکیریں نہیں،
یہ تاریخ کا راستہ ہیں،
میرے سفر کی شہادتیں۔

جب تم نے مجھے پیچھے چھوڑا،
میں آگے بڑھی—
پاؤں میں چھالے تھے،
مگر ارادے فولادی۔

تم نے بارہا طوفان اٹھائے،
میری راہوں پر پانی برسایا،
مگر ہر بار
میرے قدموں کا نشان
پھر ابھرا—
اور تم ہار گئے۔

یہ نشان بتاتے ہیں

کہ میں صرف "وہ" نہیں تھی—
میں تھی، ہوں، اور رہوں گی—
ہر گلی، ہر رستے، ہر موڑ پر۔

میرے نقشِ پا—
ان عورتوں کے بھی ہیں
جو بول نہ سکیں،
جو مٹ گئیں،
مگر اپنی ایک چاپ چھوڑ گئیں
دنیا کے سینے پر۔

تم مت سمجھو
کہ مٹی سب نگل لیتی ہے—
کچھ نشان وقت کی آنکھ میں چبھتے ہیں،
اور تمھاری نیندیں حرام کرتے ہیں۔

میں چلتی رہوں گی—
ننگے پاؤں، کانٹوں پر،
یا شعلوں میں—
کیوں کہ مجھے یقین ہے
کہ میرے بعد بھی
کوئی اِن نقشوں پر قدم رکھے گا۔

تو سن لو—

میرے نقشِ پا مت مٹاؤ—
یہ صرف خاک نہیں،
عورت کی آگ ہے!

نظم نمبر 97

میں لفظ ہوں — دبایا گیا، مٹایا نہیں گیا

میں لفظ ہوں—
کبھی نظم کی شکل میں،
کبھی چیخ کی صورت،
کبھی سوال بن کر،
اور کبھی صرف ایک خاموش علامت۔

تم نے مجھے صفحوں سے مٹایا،
درمیان سے کاٹا،
حاشیے پر دھکیلا—
کہ عورت کے لفظ زیادہ ہو گئے ہیں۔

مگر میں پلٹ آیا—
ہر بار، ہر بار—
نئے لہجے میں، نئی زبان میں،
اور کبھی آنکھوں سے بولا،
کبھی لہجے سے ٹپکا۔

میں وہ لفظ ہوں

جو دادی کی لوری میں تھا،
ماں کی آہ میں،
بیٹی کی دعا میں،
محبت کی وضاحت میں،
اور جدائی کی چیخ میں۔

تم مجھے روکتے رہے،
میں لکھتی رہی—
کبھی دیوار پر،
کبھی درخت کے تنے پر،
کبھی دل کی جلد پر۔

میں لفظ ہوں—
میری ساخت میں عورت کا درد ہے،
میرا مفہوم صدیوں کی بغاوت،
میرا تلفظ عدل کی صدا۔

اور اب—
میں صرف شعر نہیں،
میں منشور ہوں،
میں عورت کی خودی کا اعلان ہوں!

تو سن لو—

میں لفظ ہوں—

تمھاری لغت سے نکال بھی دو،

میں ہر عورت کے ہونٹ پر لکھا جاؤں گا۔

نظم نمبر 98

میں ہوا ہوں — رکی تو مری، چلی تو جیتی

میں ہوا ہوں—
نہ دیکھی جا سکتی،
نہ قید کی جا سکتی،
نہ حکم مانتی ہوں،
نہ رکنے کی عادی ہوں۔

تم نے میرے راستے بند کیے،
پر پہرے بٹھائے،
مگر میں پھر بھی پہنچی—
چپکے سے، آہستہ آہستہ،
اور تمھارے نظام کی گرد جھاڑ آئی۔

میں کبھی ماں کی لوری میں ہوں،
کبھی بیٹی کی سانس میں،
کبھی محبوبہ کے خواب میں،
کبھی بیوی کی خامشی میں۔

میں ہوا ہوں—

نرمی بھی ہوں،
تو فانی بھی—
جب ظلم کی حد بڑھتی ہے
تو میں آندھی بن جاتی ہوں،
اور جب انصاف کی امید جاگتی ہے
تو میں معطر جھونکا ہو جاتی ہوں۔

تم مجھے پکڑ نہیں سکتے،
لفظوں میں قید نہیں کر سکتے،
میری خوشبو، میری سانس،
میری بغاوت— ہر سمت بہتی ہے۔
اب جو عورت بولتی ہے،
چلتی ہے، لکھتی ہے،

محبت کرتی ہے یا انکار—

تو سمجھ لو:
ہوا چل پڑی ہے!

اور جب عورت ہوا بن جائے—
تو کوئی دیوار نہیں بچتی۔

نظم نمبر 99

میں وقت کا ورق ہوں — پھاڑا نہیں جا سکتا

میں وقت کا ورق ہوں—
نہ پھولوں سے بھرا،
نہ صرف خوشبو سے لکھا گیا،
بلکہ درد، جبر، خامشی، بغاوت،
اور بیداری کی روشنائی میں ڈوبا ہوا۔

تم نے کتابیں لکھیں—
مگر عورت کو حاشیے پر رکھا،
یا ایک باب بنا کر بند کر دیا۔

مگر میں نے وہ سطر بننا سیکھا
جو بار بار پڑھی جائے،
ہر بار نئے معنی دے۔

میں وہ ورق ہوں
جسے جلانے کی کوشش کی گئی،
مگر راکھ سے بھی آواز نکلی:
"میں ابھی مکمل نہیں!"

میرے اندر بیٹی کی پہلی چیخ ہے،
ماں کی آخری دعا،
بیوی کا خاموش انکار،
اور ہر اُس عورت کی سانس
جو اپنے وجود کا اعلان کرنا چاہتی تھی۔

اب میں صرف داستان نہیں،
دستاویز ہوں—
وہ صفحہ جو اگلی صدیوں کو
یاد دلائے گا
کہ عورت نے صرف زندہ رہنا نہیں سیکھا،
جینا، لڑنا، اور لکھنا بھی سیکھ لیا ہے۔

تم چاہو تو

میری باتوں کو نظر انداز کردو،
مگر وقت کا ورق
تاریخ میں جگہ بناتا ہے—
خاموشی سے، مگر اٹل۔

میں وہ صفحہ ہوں
جو نہ جھکایا جا سکتا ہے،
نہ پھاڑا جا سکتا ہے—
کیونکہ میں عورت کی صدیوں کی صدا ہوں!

نظم نمبر 100

بس بہت ہوا!—اب میں خود اپنی کہانی ہوں

بس بہت ہوا—
اب میں "وہ" نہیں،
میں "میں" ہوں—
مکمل، واضح، بیخوف!

صدیوں کی چپ کو میں نے نظم میں بدلا،
آنسو کو روشنائی کیا،
خامشی کو صدا،
اور سسکی کو اعلان بنایا۔

تم نے ہر رشتے میں مجھے قید کیا—
بیٹی، بیوی، ماں، بہن...
مگر انسان کہنا بھول گئے۔
اب میں رشتے نبھاؤں گی—
مگر اپنی شناخت گنوا کر نہیں۔

میں وہ عورت ہوں
جس نے تاریخ کی راکھ سے
خود کو پھر سے تراشا ہے،
اور آئندہ صدیوں کو
اپنی آواز دی ہے۔

اب نہ میرے لفظ کم ہوں گے،
نہ میرے خواب چھوٹے،
نہ میری مرضی مصلحت کے آگے ہارے گی۔

میں سوال بھی ہوں،
میں جواب بھی—
میں نظم بھی ہوں،
میں انقلاب بھی۔

بس بہت ہوا—
یہ صدی عورت کی ہے

،
نہ کہ صرف اس کے ذکر کی،
بلکہ اس کی مرکزیت کی۔

میں اپنے جسم، اپنی سوچ،
اپنی فہم، اپنے خواب،
سب کی مالک ہوں۔

میں عورت ہوں—
اور اب میں خود اپنی کہانی ہوں!

علیم طاہر کا تعارف"

"علیم طاہر کی زبانی"

میں (قلمی نام) علیم طاہر (انڈیا) ... (شیخ علیم الدین عبدالرشید) ... ہندوستان کی ریاست مہاراشٹر میں ایک دھرن گاؤں نامی گاؤں ضلع جلگاؤں میں میں نے آنکھیں کھولیں جو میرا ننھیال اور ددھیال ہے۔ چونکہ والد محترم ارشد مینا نگری صاحب بحیثیت اسکول ہیڈ ماسٹر سرکاری ملازمت پر مالیگاؤں میں فائز تھے۔ جہاں انہوں نے اپنے پورے خاندان کو منتقل کرلیا اور وہیں کے ہوکر رہ گئے غالباً وطن ثانی کے طور پر مالیگاؤں کو تسلیم کیا جاسکتا ہے کیونکہ وہیں آج تک شاد و آباد ہیں۔

والد محترم ارشد مینا نگری صاحب نہ صرف کئی ایوارڈ یافتہ صدر مدرس رہے بلکہ اردو، ہندی اور مراٹھی تینوں زبانوں کے بہترین ممتاز مشہور و معروف ہمہ اصناف شاعر و ادیب بھی ہیں بچپن ہی سے ان کی تربیت میں خاکسار نے اپنے شب و روز گزارے اور شعری شعور پایا۔ ان گنت مشاعروں میں ان کے ساتھ بچپن ہی سے شرکت کے مواقع نصیب ہوئے۔ بے شمار اسٹیج ہے سے والد محترم ارشد مینا نگری صاحب کو مشاعرے لوٹتے ہوئے دیکھا اور تو اور آہستہ آہستہ میں بھی فطری طور پر شاعری کی طرف راغب ہوگیا۔ چونکہ ارشد مینا نگری نہ صرف تحت اللفظ بلکہ ترنم کے بھی کامیاب ترین شاعر تسلیم کیے جاتے ہیں۔

انیس سو اسی میں شاعری کی ابتدا ہوئی باقاعدہ شعر کہنے لگا اور استاد الشعراء ارشد مینا نگری سے اصلاح لینے کا سلسلہ بھی شروع ہوگیا۔ انیس سو تراسی سے آل انڈیا مشاعروں میں شرکت ہونے لگی اور تحت اللفظ کے کامیاب ترین شاعر کی حیثیت سے ایک شناخت بن گئی۔ ہنستے کھیلتے میرا بچپن گزرتا رہا۔ میرا غزلوں کی طرف شروع میں رجحان زیادہ رہا آہستہ آہستہ ہمہ اصناف شاعری کی تمام ہنر مندیاں محترم ارشد مینا نگری سے سیکھنے کو ملنے لگیں۔ مختلف اصناف پر طبع آزمائی کرنے کے مواقع نصیب آئے۔ اب تک ہر صنف سخن پر خاکسار نے طبع آزمائی کر کے الگ تھلگ اور منفرد شناخت بنالی ہے۔

ماشائاللہ تعلیمی لیاقت میں اضافہ ماحول کی دین اور والد محترم ارشد مینا نگری اور والدہ محترمہ حلیمہ بی کی تربیت کا بہترین نتیجہ قرار دیا جاسکتا ہے۔

2003 میں ایم اے پونا یونیورسٹی سے فرسٹ کلاس اردو مینتھڈ میں کامیابی مل چکی تھی، بعد میں دوسرا ایم اے اردو ہسٹری اور تیسرا ایم اے ایم اے ان ایجوکیشن کے بعد بی ایڈ اردو ہسٹری۔۔۔ پونے یونیورسٹی سے نمایاں کامیابی حاصل کرلی۔ ساتھ ہی ساتھ راجستھان سے پی ایچ ڈی کی ڈگری کے لئے ایڈمیشن لے کر نئی اصناف سخن موضوع پر پی ایچ ڈی بھی مکمل کرلی۔ صرف ڈگری کا ہاتھ آنا باقی ہے۔

صحافت بھی کالج عہد سے نمایاں طور پر جاری رہی اور باقاعدہ صحافت پر بھی ڈپلومہ کورس کر کے جرنلزم کی سند حاصل کر لی۔ کمپیوٹر کے ایم ایس سی آئی ٹی، کورس اور ڈی ٹی پی، کورس بھی سرکاری طور پر مکمل کر لئے۔

2008 سے ممبئی میں ایک ڈی ٹی ایڈ کالج میں بحیثیت لیکچرار اپوائنٹمنٹ ہو گیا۔ جہاں مشہور فکشن رائٹر اور ناول نگار رحمٰن عباس کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا۔ اس کے بعد انجمن خیرالاسلام کے ایک کالج اور اردو ہائی اسکول میں اپوائنٹمنٹ ہو گیا جہاں 7 سال ایچ او ڈی اور اسسٹنٹ ٹیچر کی حیثیت سے کامیابی کے ساتھ گزرے۔ بعد ازاں دابھول رتناگری میں ٹرانسفر ہو گیا۔ یہاں آنے کے بعد ترقی کی راہیں مزید ہموار ہوں گی ء۔ اس ہائی اسکول کی پچاس سالہ تاریخ میں ایک نئی تاریخ مرتب ہوء پونے ایس ایس سی بورڈ میں باقاعدہ خاکسار کو نصابی میٹنگوں میں دعوت دی گئی اور بحیثیت اصلاح کار دسویں کی کتاب میں مشیر خاص کے حیثیت سے نوازا گیا۔ اور ضلع رتناگری میں ٹیچر اور ہیڈ ماسٹرز کی رہنمائی کے لئے آر پی کے عہدے سے بھی سرفراز کیا گیا مختلف پروگراموں میں خاکسار نے نئی تعلیمی پالیسیوں پر اپنے لیکچرز کے ذریعے تعلیمی بیداری پیدا کی۔ واٹس اپ گروپ کے بیشمار آن لائن مشاعروں کی نظامت اور اون لاین کتابوں کی نشر و اشاعت خاکسار کے ذریعہ عمل میں آئی۔ مختلف دینی و ادبی تنظیموں کی سربراہی نصیب ہوئی۔ موجودہ دور میں برائیوں پر قدغن لگانے کے لیے بھی میری شناخت تسلیم کی گئی۔ محترمہ دعا علی صاحبہ کے ساتھ آون لاین ماہ نامہ باب دعا کراچی اور آفتاب احساس انٹرنیشنل میگزینز کی اشاعت میں بحیثیت نمایاں مدیر اعلیٰ، مدیر، اصلاح کار اور مشیر خاص کے طور پر کامیابی حاصل ہوئی۔ یہ اور مزید مفید و اہم سرگرمیاں اب بھی جاری وساری ہیں۔

کالج کے زمانہ طالب علمی سے ہی مجھے ممبئی جیسے عروس البلاد شہر میں اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کے بے شمار مواقع نصیب ہوئے چونکہ صحافتی اور تصنیفانہ مزاج بڑا کام آیا۔ کئی فلموں میں گیت لکھنے کے مواقع نصیب ہوئے، کی ء سریلیس میں مکالمے لکھنے کے مواقع نصیب ہوئے اداکاری اور ہدایتکاری کے بھی مواقع نصیب ہوئے، مالیگاؤں جیسے صنعتی شہر میں انیس سو ستانوے میں ایک پیروڈی فلم مالیگاؤں کے شعلے بنائی گئی جس میں خاکسار نے ہیرو دھرمندر کا رول ادا کیا اور تو اور اس میں چیف ہدایت کار کے طور پر بھی اپنے فن کا مظاہرہ کرنے کا موقع نصیب ہوا۔ اس فلم کو ریکارڈ توڑ کامیابی حاصل ہوئی اس کے ڈائریکٹر میرے دوست ناصر شیخ تھے۔ مختلف ملکوں اور شہروں کی تنظیموں سے بیشمار انعامات حاصل ہوئے۔ خاکسار کو بہترین اداکار اور ہدایت کار کے طور پر بھی گہری شناخت حاصل ہوئی۔

خاندیش کے دل والے دلہنیا لے جائیں گے میں بھی نمایاں کردار ادا کیا ہوں۔ ٹارزن کی بارات میں چیف ڈائریکٹر اور ایکٹر رہا۔۔ تو سے کا کرے کے، فلم میں بھی مہمان خصوصی کے طور پر شامل رہا۔ گبر چاچا فلم میں بھی ہیرو کا کردار نبھایا۔ اور بھی کئی فلمیں ہیں جن میں خاکسار کی نمایاں شمولیت رہیں۔

خاکسار نے اے ایم این پروڈکشن انٹرنیشنل کے زیر نگرانی فلمیں بھی بنائیں جس میں مالیگاؤں ٹو دبئی، women, اور ریکامے پوریا کیبول بچن وغیرہ اہم اور بنیادی فلمیں بہت مقبول عوام ہوئیں۔

انٹرنیشنل ساؤتھ فلم "آج کا لاوارث" کے تمام گیت خاکسار کے قلم سے تحریر ہوئے "ابھی تو رات ہے" محترم انیس جاوید صاحب کی

فلم } ظلم کے خلاف ,{ کے گیتوں میں بھی ایک گیت خاکسار کا رہا .اس فلم میں نہ صرف اداکاری بلکہ اسسٹنٹ کے فرائض بھی انجام دیے۔۔ مجھے اس پہلی فلم میں مجھے محترم انیس جاوید صاحب نے موقع فراہم کیا تھا۔ گیت لکھنے، اداکاری کرنے، اور بطور اسسٹنٹ بھی۔ یہ میرے لیے بڑا چانس تھا۔ جو انیس جاوید صاحب نے مجھے دیا تھا۔ "چار مینار بوائز" حیدرآبادی فلم میں بھی خاکسار نے اداکاری کے جوہر دکھلائے۔ ...جو کافی مقبول عوام ہوئی۔

** علیم طاہر کی مطبوعہ تصنیفات کے نام** .

..01 دنیا مسافر راستے
غزلیں نظمیں قطعات

...02 منظر پس منظر
علیم طاہر پر تحریر کردہ مضامین اور مختلف اصناف سخن پر شاعری

03۔۔۔سر، سنگم، سنگیت
300 گیتوں پر مشتمل مجموعہ۔۔

....04 شاعری، موسیقی، نغمگی
ستر سے زائد اصناف سخن پر مشتمل گیتوں کا مجموعہ۔

....05 یہ عشق کا سفر ہے
اون لاین شعری مجموعہ دعا علی ویب سائٹ کراچی . پاکستان۔

....06 کرچی کرچی خواب
آن لائن شعری مجموعہ دعا علی ویب سائٹ کراچی . پاکستان۔

....07اگلا موسم
شعری مجموعہ دعا علی ویب سائٹ کراچی پاکستان۔

08 لمحہ لمحہ عشق
... شعری مجموعہ دعا علی ویب سائٹ کراچی پاکستان.

فیس بک پر تقریباً10 شعری مجموعے۔۔۔

...09ابا ابا آج ہے سنڈے
ادب اطفال۔۔

...10 عورت کچے کان کی
ناول۔۔۔۔

..11۔۔یادگار لمحے
مضامین پر مشتمل مجموعہ۔

.12۔۔۔میں ذرہ ذرہ بکھرا ہوں۔
سانیٹ پر مشتمل مجموعہ.

**علیم طاہر پر تحریر کردہ کتابیں..

..01 گیتوں کا شہزادہ علیم طاہر۔۔۔
مصنف۔۔ڈاکٹر سیفی سرونجی

...02 علیم طاہر کے گیت کا نیا منظر نامہ مصنف پروفیسر ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی۔

**علیم طاہر پر شائع شدہ رسائل میں گوشے۔۔

ماہ نامہ۔۔شاعر۔۔۔بیباک۔۔۔۔اورنگ آباد۔۔۔۔۔۔

اوراس جیسے درجنوں شعری مجموعے اور تصنیفات اون لاین فیس بک اور ویب سائٹس پر پڑھی جاسکتی ہیں۔

آفتاب احساس انٹرنیشنل گروپ بھی تشکیل دیا گیا ہے جس کا بانی اور چیرمن خاکسار ہے۔ جس میں عالمی شہرت یافتہ شعراء کرام کی شمولیت ہے اور آئے دن اس گروپ کے ذریعے مختلف اصناف سخن پر مشتمل عالمی مشاعروں کا انعقاد عمل میں آتا رہتا ہے جس کی نظامت خاکسار بخوبی انجام دیتا آیا۔اس گروپ کے مشاعروں کی کامیابی میں نمایاں کردار محترمہ دعا علی صاحبہ کا بھی رہا ہے۔
ایک اور گروپ گہوارہ علم وادب نمبر 1 بھی تشکیل دیا ہوں خاکسار جس کا بانی وچئیر مین ہے اس گروپ کے ذریعے بھی فروغ اردو اور معیاری اردو میں اضافے کا کام برابر جاری وساری ہے۔
ابھی حال ہی میں یعنی 2025 میں بالی ووڈ کی بگ بجٹ کی ایک فلم ایکسیل انٹرٹینمنٹ اور ٹائیگر بے بی پروڈکشن کے زیر اہتمام ریلیز ہوئی۔ جس کا نام ہے "سپر بوائز آف مالیگاؤں" دنیا کے تھیٹروں میں اس فلم نے کافی نام کمایا۔
خاص بات یہ ہے کہ یہ فلم علیم طاہر کی زندگی کی اہم جھلکیاں پیش کرتی ہیں۔
یعنی ان کا رول کسی بالی ووڈ ایکٹر "پللو سنگھ" نے بخوبی نبھایا.
آج کل یہ فلم پرائم ویڈیو پر بھی جاری ہے۔
ایمازون پر بھی یہ فلم شان وشوکت سے دکھائی جارہی ہے۔
اس فلموں کے "ڈائلیکٹ کنسلٹنٹ" علیم طاہر ہے.
یہ فلم مالیگاؤں کے محنت کشوں پر منحصر ہے۔
جو خواب دیکھتے ہیں اوراس خواب کی تعبیر پانے کے لیے کم بجٹ میں فلم بناتے ہیں۔
جو بہت کامیاب ہوجاتی ہے۔
فلم "مالیگاؤں کے شعلے" 1997 میں ریلیز ہوئی تھی اور ریکارڈ تھوڑا کامیابی حاصل کی تھی.
پھر کئی سالوں بعد سپر مین آف مالیگاؤں بنی تھی۔

اس فلم نے بھی بہت کامیابی حاصل کی تھی۔

ان دونوں فلموں کا کمبینیشن ہے "سپر بوائز اپ مالیگاؤں"

کس طریقے خواب دیکھنے والے یہ لڑکے فلم بنانے میں کامیابی حاصل کرتے ہیں۔

اور انہیں کیا کیا رکاوٹیں پیش آتی ہیں۔

اور کس طریقے سے ان کے کام کرنے کا اسٹائل ہے۔وہ سب اس فلم کی اہم خصوصیات ہیں۔ڈائیریکٹر ریما کاگتی، پروڈیوسرس۔۔ریتیش سدھوانی،فرحان اختر،زویا اختر،ریما کاگتی، ہیں۔بقول جاوید اختر

"پندرہ سالوں میں ایسی فلم انڈسٹری میں دیکھنے میں نہیں آئی۔"

اسی طرح میری زندگی کا سفر جاری وساری ہے مختلف مرحلوں سے کامیابی کے ساتھ گذرتے ہوئے مختلف موڑ سے کامیابی کے ساتھ مڑتے ہوئے میں منزل کی جانب گامزن ہوں۔ابھی سفر جاری ہے اور بے شمار خواب تعبیر پانیکے لئے بے قرار و مضطرب بھی۔

دعاؤں کا طالب

علیم طاہر(انڈیا)

08/12/2001

بروز سنیچر شب: 08:15

05/05/2025 (Update Knowledge)

AleemTahir India Ka taaruf

AleemTahir India ki zubani...

Email : aleemtahir12@gmail.com

Mob No : 9623327923

...

ناول
عورت کچے کان کی
ناول نگار: علیم طاہر

بلیک ہول
ناول
ناولسٹ
علیم طاہر

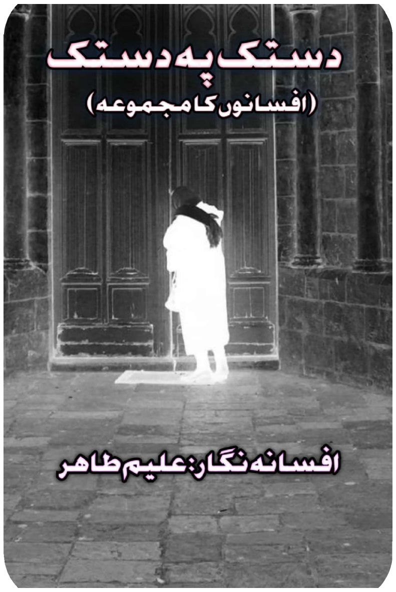
دستک پہ دستک
(افسانوں کا مجموعہ)
افسانہ نگار: علیم طاہر

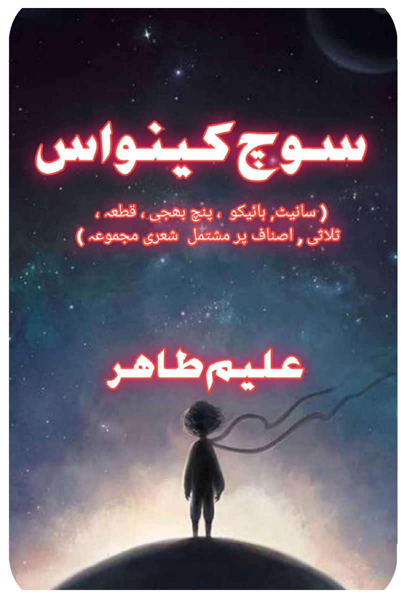
سوچ کینواس
(سائیت, ہائیکو ، پنج بھجی ، قطعہ ،
ثلاثی , اصناف پر مشتمل شعری مجموعہ)
علیم طاہر

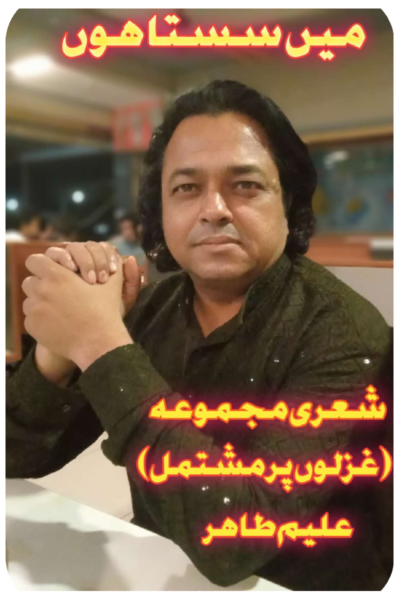
میں سستا ہوں
شعری مجموعہ
(غزلوں پر مشتمل)
علیم طاہر

صبح نکلتا وہ سورج
(ادب اطفال پر مشتمل شعری مجموعہ)
علیم طاہر

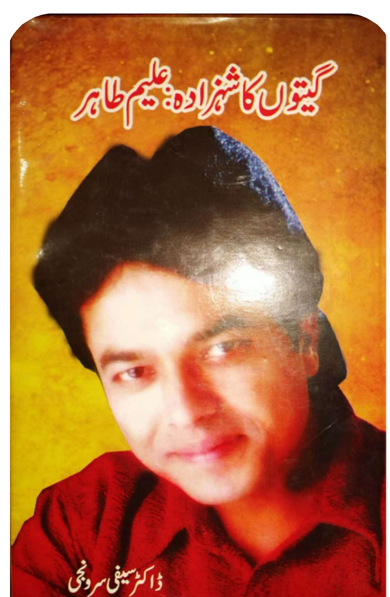
گیتوں کا شہزادہ: علیم طاہر
ڈاکٹر سیفی سرونجی

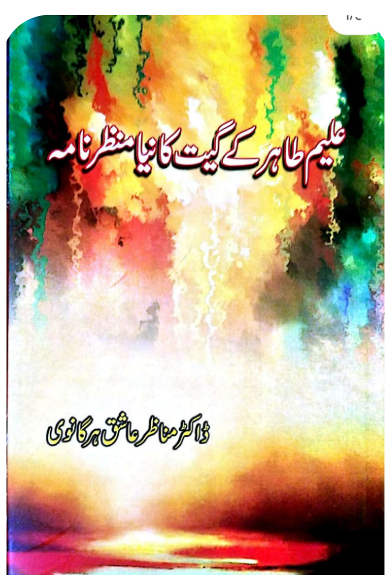
علیم طاہر کے گیت کا نیا منظر نامہ
ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی

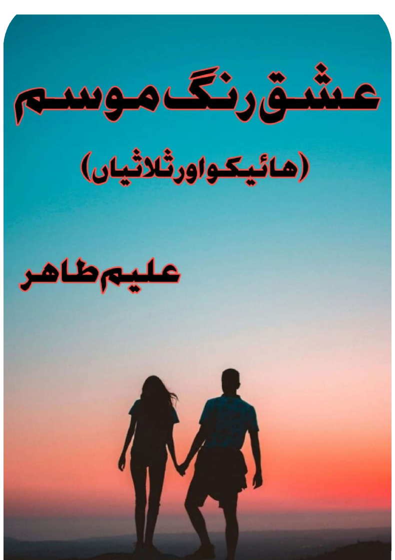
عشق رنگ موسم
(ہائیکو اور ثلاثیاں)
علیم طاہر

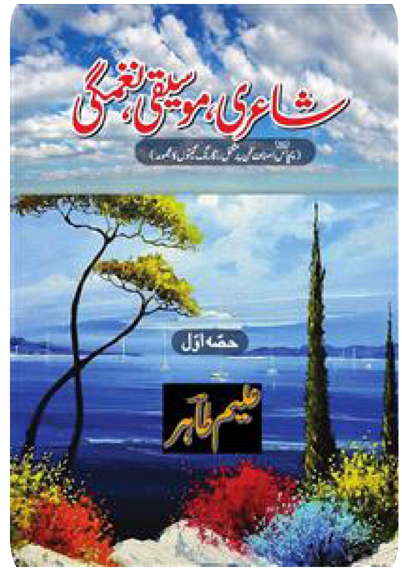
شاعری، موسیقی، نغمگی
حصہ اوّل
علیم طاہر

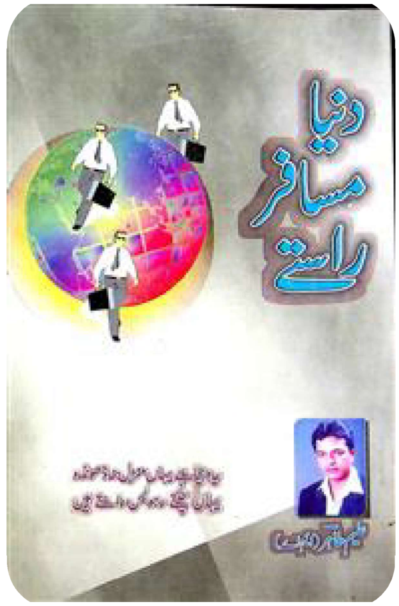
دنیا
مسافر
راستے

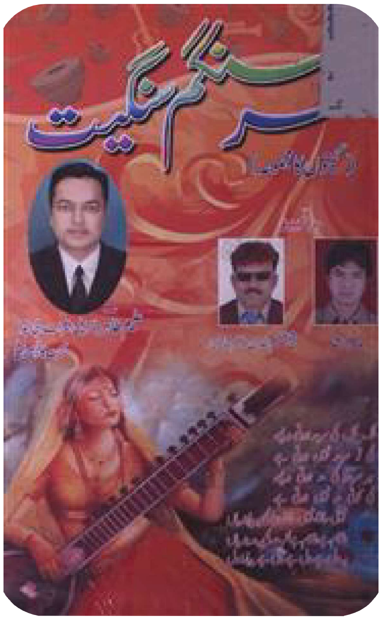
سرسنگم سنگیت

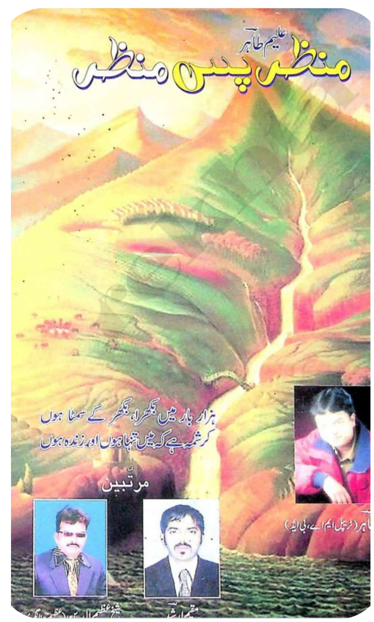
علیم طاہر
منظر پس منظر
مرتبین

نئے افسانچے
مرتّب
علیم طاہر

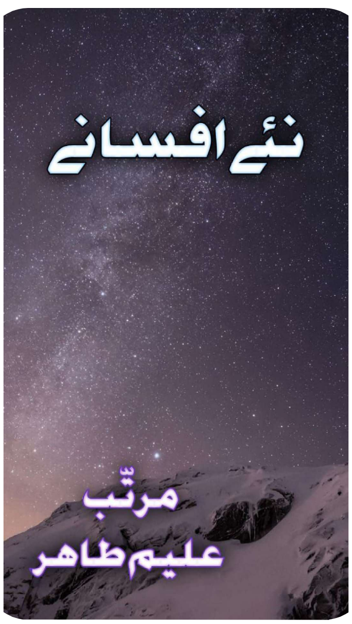
نئے افسانے
مرتّب
علیم طاہر

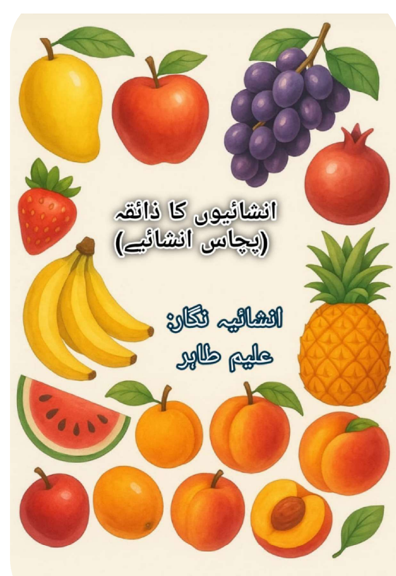
انشائیوں کا ذائقہ
(پچاس انشائیے)
انشائیہ نگار:
علیم طاہر

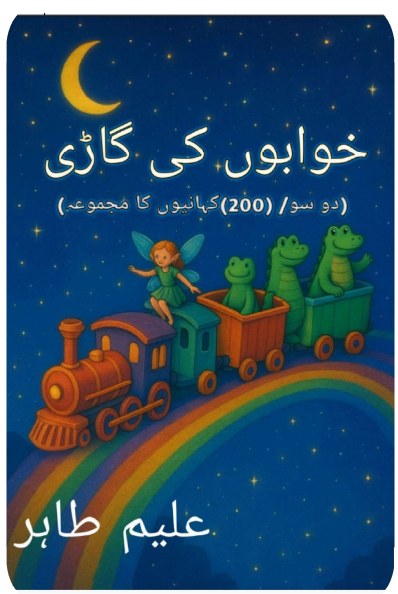
خوابوں کی گاڑی
(دو سو/ (200)کہانیوں کا مجموعہ)
علیم طاہر

علیم طاہر کے چھ ناولٹس
01 : ڈیجیٹل خواب
02 : کلک سے قبل_ عشق تھا
03 : واپسی کا سفر
04 : دلچسپ جہان
05 : ادھورا لمس
06 : پردے کے پیچھے
ناول نگار
علیم طاہر

مٹی کی پیشانی پر خواب
(دو سو افسانچوں کا مجموعہ)
افسانچہ نگار: علیم طاہر

خاموش چیخیں
(تین سو افسانچوں کا مجموعہ)
افسانچہ نگار
علیم طاہر

بس بہت ہوا
(سو نسائی نظموں کا مجموعہ)
نظم نگار
علیم طاہر

ادب کا شعور
اور
تنقید کی بصیرت
(سو مضامین کا مجموعہ)
مضمون نگار
علیم طاہر

AMAZON
MGM STUDIOS
28022025

AMAZON
MGM STUDIOS
28022025

CAUTION!

AMAZON
MGM STUDIOS
THERE
ARE
NO
RULES
IN
FILM MAKING
BALCONY NO. 70
PRINCE
VIDEO PARLOUR
STD ISD
PCO FAX

AMAZON
MGM STUDIOS
THERE
ARE
NO
RULES
IN
FILM MAKING
SUPERBOYS
BALCONY NO. 70
VIDEO PARLOUR

AMAZON
MGM STUDIOS
THERE
ARE
NO
RULES
IN
FILM MAKING
SUPERBOYS
BALCONY NO. 70

AMAZON MGM STUDIOS
THERE
ARE
NO
RULES
IN
FILM MAKING
PRINCE
VIDEO PARLOUR
BALCONY NO. 70

AMAZON MGM STUDIOS
THERE
ARE
NO
RULES
IN
FILM MAKING
PRINCE
VIDEO PARLOUR
BALCONY NO. 70

AMAZON MGM STUDIOS
THERE
ARE
NO
RULES
IN
FILM MAKING
SUPERBOYS
PRINCE
VIDEO PARLOUR
BALCONY NO. 70

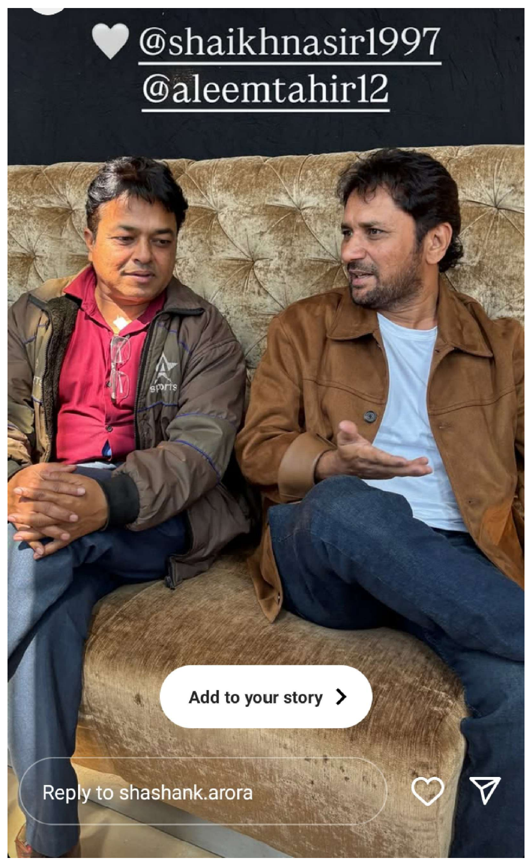
@shaikhnasir1997
@aleemtahir12
Add to your story
Reply to shashank.arora

AMAZON
MGM STUDIOS
THERE
ARE
NO
RULES
IN
FILM
MAKING
SUPERBOYS
PRINCE
VIDEO PARLOUR
BALCONY NO. 70

7:47

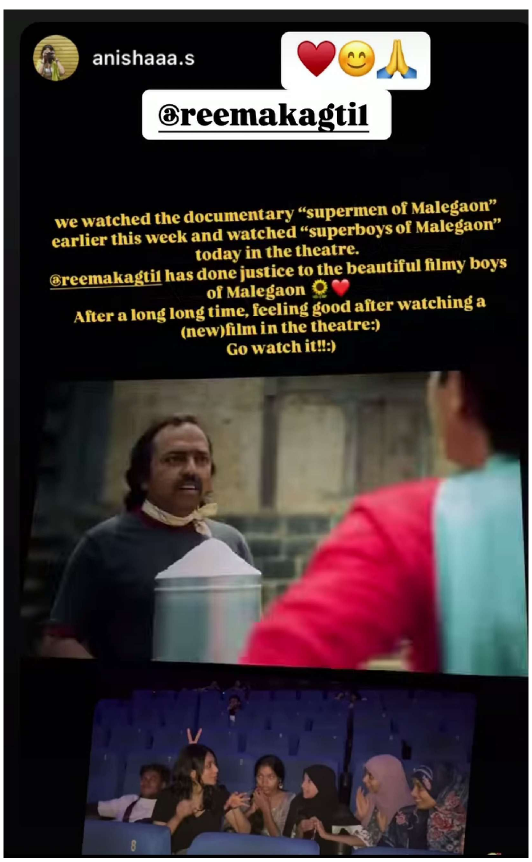
anishaaa.s
@reemakagti1
we watched the documentary "supermen of Malegaon"
earlier this week and watched "superboys of Malegaon"
today in the theatre.
@reemakagti1 has done justice to the beautiful filmy boys
of Malegaon
After a long long time, feeling good after watching a
(new)film in the theatre:)
Go watch it!!:)

Watched a beautiful Film today! #SuperBoysOfMalegaon made me want to celebrate friendship, Love, joy, sorrow, Malegaon and most importantly Cinema! Thank you @vineet_ksofficial for this lovely invite!! Congratulations @excelmovies @reemakagti1 @ritesh_sid @faroutakhtar @zoieakhtar @gouravadarsh @shashank.arora @manjiripupala @anujsinghduhan @saqibayub_ @sanjaydadhich @riddhikumar_ @madhoknikhil @vidushak @pallavsinggh
SUPERBOYS OF MALEGAON
THERE
ARE
NO. 70
Sachin-Jigar, Divya...

6 Aug 2025 2:16:12 pm

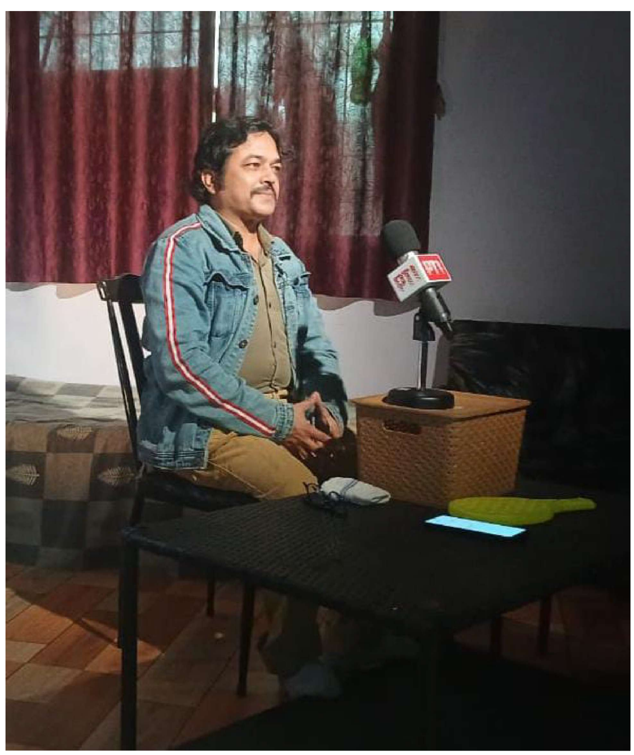

AMAZON
MGM STUDIOS

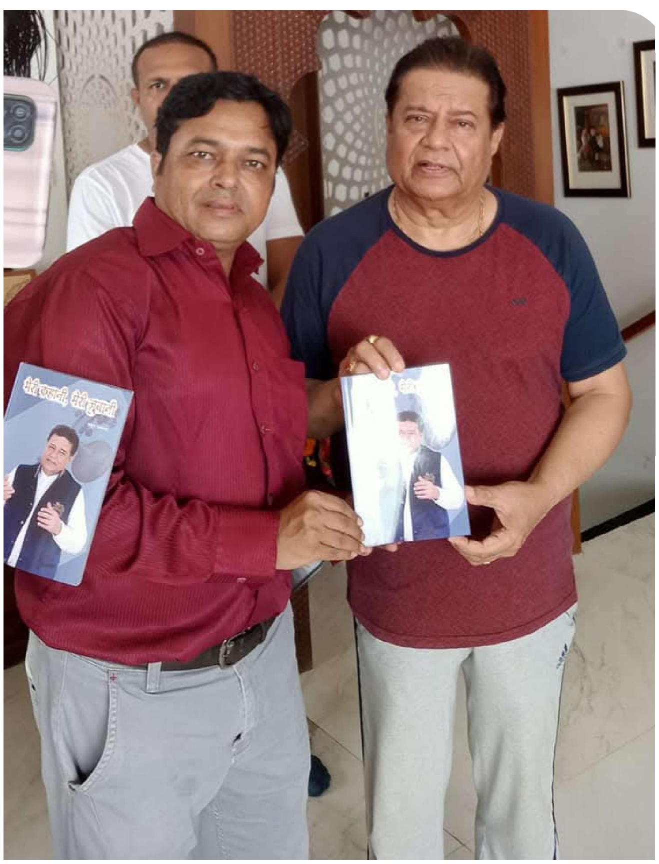

Bass Bahut huwa

(Sau Nisaai Nazmon ka Majmua)

Nazm Nigaar
Aleem Tahir